ماہ نامہ

ہمدرد نونہال

فروری ۲۰۱۰ء

بھرپور غذائیت ۔ مکمّل غذا

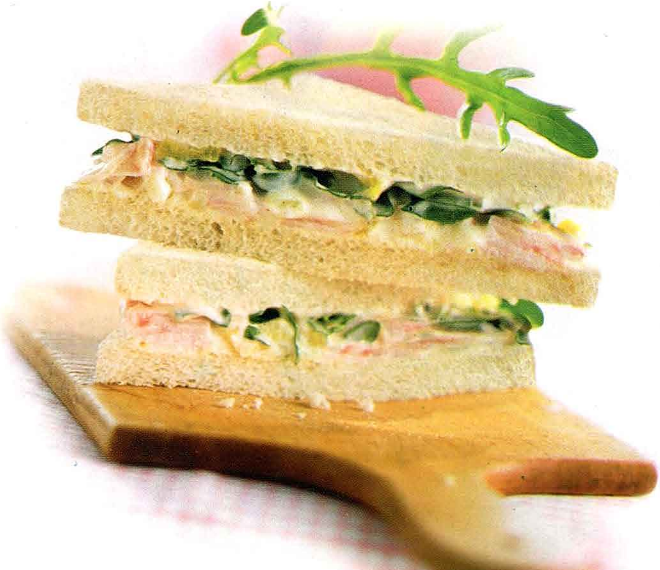

بڑھتے جاؤ، کھاتے جاؤ...
چکن، انڈا اور خالص ویجیٹیبل آئل
ینگز چکن اسپریڈ کو پروٹین اور دیگر ضروری
غذائی اجزاء سے بھرپور بناتے ہیں۔ یہ ایک مکمل اور
غذائیت سے بھرپور غذا ہے جو دیتا ہے آپ کو بڑھتے
رہنے کی طاقت ۔ روزانہ!

صرف =/10 روپے میں
اب ساشے پیک

Blitz DDB

Young's®

YOUNG'S (PRIVATE) LIMITED

www.youngsfood.com

SPREAD HEALTH. SPREAD LIFE.

یادگار: شہید پاکستان حکیم محمد سعید

اشاعت کا ۵۸ واں سال

ماہ نامہ

ہمدرد نونہال

صدرِ مجلس
سعدیہ راشد

مدیر اعلا
مسعود احمد برکاتی

فروری ۲۰۱۰ عیسوی

صفر المظفر ۱۴۳۱ ہجری

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

قیمت عام شمارہ	۲۵ رُپے
سالانہ (رجسٹری سے)	۳۸۰ رُپے
سالانہ (عام ڈاک سے)	۲۶۰ رُپے
سالانہ (دفتر سے دستی لینے پر)	۲۴۰ رُپے
سالانہ (غیر ممالک سے)	۴۰-امریکی ڈالر

ٹیلےفون — 36620945 سے 36620949

ایکسٹینشن — (054 یا 055 یا 066)

ٹیلےفیکس نمبر — (92-021) 36611755

ای میل — hfp@hamdardfoundation.org

ویب سائٹ ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان — www.hamdardfoundation.org

ویب سائٹ ہمدرد لیبارٹریز (وقف) — www.hamdardlabswaqf.org

ویب سائٹ ادارۂ سعید — www.hakimsaid.info

دفتر ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد، کراچی ۷۴۶۰۰

ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی اور ہمدرد فاؤنڈیشن نے عظیم نونہالانِ پاکستان کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرت کے لیے شائع کیا

''ڈاک خانے کے نئے قاعدوں کی وجہ سے آیندہ ہمدرد نونہال کی قیمت صرف
بنک ڈرافٹ یا منی آرڈر کی صورت میں قابلِ قبول ہوگی، VPP بھیجنا ممکن نہیں ہے۔''

قرآنی آیات اور احادیث نبویؐ کا احترام ہم سب پر فرض ہے

سعدیہ راشد پبلشر نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارۂ مطبوعات ہمدرد ناظم آباد کراچی سے شائع کیا

سرورق کی تصویر	مہک اکرم، کراچی

ISSN 02 59-3734

اس شمارے میں کیا کیا ہے؟

جاگو جگاؤ	۴	شہید حکیم محمد سعید
پہلی بات	۵	مسعود احمد برکاتی
روشن خیالات	۶	ننھے گل چیں
اللہ کا بندہ (نظم)	۷	مشتاق حسین قادری
نیک پڑوسی	۸	مسعود احمد برکاتی
وقت دوڑ رہا ہے	۱۰	شہید حکیم محمد سعید
سکّوں کی دنیا	۱۲	شیخ عبدالحمید عابد
ماں وقارِ ہستی ہے (نظم)	۳۴	لبنیٰ بدر
علم دریچے	۳۵	نکتہ داں نونہال
بنامِ قائد (نظم)	۳۹	شمیم فاطمہ
بیت بازی	۴۰	خوش ذوق نونہال
ترکیب	۴۱	یسریٰ مریم، حمزہ شفیق
مسکراتی لکیریں	۴۳	غزالہ امام
تیسری آنکھ	۴۵	نذیر احمد یوسفی (انڈیا)

کسان اور شیطان
وقار محسن

شیطان نے ایک بھولے بھالے کسان کو کیسے بھٹکا دیا؟

۱۵

کویل کا تحفہ
معراج

دو غریب موچی بھائیوں کو ایک کویل نے عجیب و غریب تحفے دیے

۲۱

میں تمھارا ناخن ہوں
شہید حکیم محمد سعید

ہمارے ناخن کیا ہیں اور کس طرح کام کرتے ہیں؟ حیرت انگیز معلومات

۲۴

نونہال ادیب	۵۱	ننھے لکھنے والے
ہنسی گھر	۶۱	ننھے مزاح نگار
راکھ سے بنی عمارت	۶۷	ادارہ
ماں کی دعا	۶۹	نیما گل
ماں باپ کی محبت (نظم)	۷۴	عبدالحفیظ ظفر
معلومات افزا-۱۷۰	۸۰	سلیم فرخی
چین کی سب سے بڑی مسجد	۸۹	حبیب خان
نونہال مصور	۹۱	ننھے آرٹسٹ
تصویر خانہ	۹۳	ادارہ
ہمدرد نونہال اسمبلی	۹۵	حیات محمد بھٹی-سید علی بخاری
سب سے اچھا کام	۹۸	مجیب ظفر انوار حمیدی
جوہری توانائی	۱۰۵	مسعود احمد برکاتی
آدھی ملاقات	۱۰۷	نونہال پڑھنے والے
انعامات بلاعنوان کہانی	۱۱۲	ادارہ
جوابات معلوماتِ افزا-۱۶۸	۱۱۶	ادارہ
نونہال لغت	۱۲۰	ادارہ

چاپے
اشتیاق احمد
بے ایمان لوگوں کے درمیان
ایک ایمان دار افسر کی
خوب صورت معاشرتی کہانی
۷۵

بلاعنوان انعامی کہانی
حسن ذکی کاظمی
اس دل گداز کہانی کا عنوان بتا کر
انعام میں ایک کتاب لیجیے
۸۳

ریلوے کا موجد
نسرین شاہین
ریل کا سب سے پہلا انجن بنانے والے
جارج اسٹیفنسن کی سبق آموز کہانی
۱۰۱

نونہالوں کے دوست اور ہمدرد
شہید حکیم محمد سعید
کی یادر ہنے والی باتیں

جاگو جگاؤ

تم نے ایک لفظ بہت سنا ہوگا'' کام چوری'' آ ؤ، آج اس لفظ کے معنی پر غور کریں۔ کام چوری کا ایک مطلب تو ہے کام سے جی چرانا، لیکن اصل میں کام چور اس آدمی کو کہتے ہیں جو کسی کام کا معاوضہ تو پورا لے، لیکن کام دل لگا کر، محنت سے اور پورا نہ کرے۔ مقررہ وقت میں اور طے شدہ اُجرت یا معاوضے میں اتنا کام نہ کیا جائے، جتنا کرنا چاہیے تو یہ کام چوری ہوئی۔ کام میں سُستی اور کاہلی برتی جائے، کام دیر سے پورا کیا جائے تو یہ بھی کام چوری ہوئی۔ اگر کام اس خوبی سے نہ کیا جائے جتنی خوبی سے کرنا چاہیے تو یہ بھی کام چوری ہی کہلائے گی۔

کام چوری ایک بری عادت ہے۔ کام چوری ایک طرح کی خیانت بھی ہے۔ جس کام کا تم نے معاوضہ لیا ہے، وہ کام بھی اس آدمی کی امانت ہے، جس نے معاوضہ دیا ہے۔ اب اگر تم نے کام صحیح نہیں کیا تو یہ امانت میں خیانت ہوئی۔ کام چوری ایسی خیانت ہے، جس میں جھوٹ اور چوری کی برائیاں شامل ہیں۔ کام چوری سے حاصل کیا ہوا رزق حلال نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اے ایمان والو! تم آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے مت کھاؤ۔''

(سورۃ النساء۔ آیت ۲۹)

اگر تم ذرا سا بھی غور کرو تو تمھیں آج کل اپنے چاروں طرف کام چوری عام ملے گی۔ ملازم کام چوری کرتا ہے۔ مزدور بھی اسی کوشش میں رہتا ہے کہ کم سے کم کام کرے۔ وہ کام میں خوبی پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ اگر ایک استاد اپنے شاگردوں کو محبت اور محنت سے نہیں پڑھاتا تو یہ بھی کام چوری ہی ہوئی۔ کام چوری کو پاس نہ پھٹکنے دو۔ کام کرنے کا شوق پیدا کرو۔ جب شوق ہوگا تو کام کرنے میں مزہ آئے گا اور کام یابی کے دروازے تم پر کھل جائیں گے۔

(ہمدرد نونہال جنوری ۱۹۹۱ء سے لیا گیا)

پہلی بات

مسعود احمد برکاتی

اس مہینے کا خیال

کیا کسی کا دل دُکھانے سے زیادہ بُرا کام کوئی اور ہو سکتا ہے؟

اللہ کا شکر ہے کہ فروری ۲۰۱۰ء کا ہمدرد نونہال بھی شائع ہو کر عزیز نونہالوں کے ہاتھوں میں پہنچ رہا ہے۔ یہ بھی اللہ کا احسان ہے اور بہت بڑا احسان کہ ہمدرد نونہال اپنی زندگی کے ۵۷ سال پورے کر کے ۵۸ ویں سال میں پہنچ چکا ہے۔ شہیدِ پاکستان حکیم محمد سعید نے یہ رسالہ ۱۹۵۳ء میں جاری کیا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ بچوں کو پڑھنے کے لیے ایسی کہانیاں، نظمیں اور تحریریں میسر آئیں، جو ان کی ذہنی تفریح کے ساتھ ان کی دینی، سائنسی، تاریخی معلومات میں اضافہ کریں اور ان کے اخلاق سنواریں۔

ہمدرد نونہال کے لیے لکھنے اور رسالے کی ترتیب کا کام حکیم صاحب نے مجھے سونپا تو میں نے کہا کہ میں نے تو اب تک بچوں کے لیے کچھ نہیں لکھا، بڑوں کے لیے ہی لکھتا رہا ہوں۔ حکیم صاحب نے فرمایا:

> ''بچوں کے لیے لکھنا شروع کریں۔ ان کو پاکیزہ ادب کی زیادہ ضرورت ہے۔ آپ بہت اچھا لکھیں گے۔''

ظاہر ہے کہ میں انکار نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے ہمدرد نونہال کی ترتیب کا کام شروع کر دیا اور الحمد اللہ آج تک یہ خدمت انجام دے رہا ہوں۔ ۵۷ سال میں ہمدرد نونہال کے پڑھنے والوں کی تعداد لاکھوں سے بھی بڑھ گئی ہے۔ جن لوگوں نے اپنے بچپن میں پڑھا تھا، اب اُن کے پوتے، پڑپوتے پڑھ رہے ہیں۔ ہمدرد نونہال پڑھنے والوں میں ہر شعبے، ہر میدان، ہر سطح کے لوگ شامل ہیں۔ ان میں دو وزیر اعظموں سے لے کر پروفیسر، ادیب، صحافی، علما، حکیم، ڈاکٹر صاحبان بلکہ مزدور تک شامل ہیں۔

میں سوچتا ہوں، شہید حکیم محمد سعید کا جاری کردہ یہ رسالہ ان کی نونہالوں سے محبت کا دائمی ثبوت ہے۔ ☆

روشن خیالات

سونے سے لکھنے کے قابل زندگی آموز باتیں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

ایک آدمی اپنے اخلاق سے وہی درجہ حاصل کر سکتا ہے، جو ایک عبادت گزار پوری رات عبادت کر کے حاصل کرتا ہے۔

مرسلہ: تسمیہ مفیقہ رمضان، کراچی

امام مالکؒ

انسان کا سب سے بڑا بوجھ اس کا غصہ ہے۔

مرسلہ: ارمغان الرحمان، لاہور

بو علی سینا

بغیر بھوک کے کچھ نہ کھائیں، لیکن جب بھوک تیز ہو تو بھوکے نہ رہیں۔

مرسلہ: رومیسہ امجد انصاری، ٹنڈو آدم

ابنِ جوزی

اصل کمال علم اور عمل دونوں کو جمع کرنے میں ہے۔

مرسلہ: علی نواز، لسبیلا

سید سلیمان ندوی

تواضع اور انکسار کا مقصد یہ ہے کہ انسان میں غرور پیدا نہ ہو اور ہر شخص دوسرے کی عزت کرے۔

مرسلہ: عمران قریشی، ملتان

قائداعظم محمد علی جناح

قلم، تلوار سے زیادہ طاقت ور ہے۔

مرسلہ: خوش بخت بنتِ محمد علی، بگوواہ

گوئٹے

جس شخص کو قرض لینے اور خوشامد کرنے کی عادت نہیں وہ سب سے زیادہ مال دار ہے۔

مرسلہ: محمد شاہد کھتری اٹارسی والے، کراچی

بقراط

دنیا میں کسی کو جاہل نہ سمجھو۔ ہر شخص کچھ نہ کچھ سکھا جاتا ہے۔

مرسلہ: زلیخا بانو کھتری اٹارسی والے، نیو کراچی

اللہ کا بندہ

محمد مشتاق حسین قادری کاشمیری

جو رب کا بندہ ہے ، وہ ہے نیک خُو
اسے نیکی کرنے کی ہے جستجو

ہر اک کو گلے سے لگاتا ہے وہ
سبق چاہتوں کا پڑھاتا ہے وہ

وہ کانٹوں میں ہے اک مہکتا گُلاب
نہیں اس کا ہرگز کہیں بھی جواب

دعائیں وہ لیتا ہے ہر ایک کی
ہے نیکی سے اس کی فقط دوستی

تمنا ہے مشتاقؔ اچھا بنوں
غریبوں کی میں دل سے خدمت کروں

نیک پڑوسی

مسعود احمد برکاتی

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے پڑوس میں ایک شخص رہا کرتا تھا، جو چمڑے کے موزے بنانے کا کام کرتا تھا۔ دن بھر بازار میں اپنا کام کیا کرتا تھا اور جب رات ہوتی تھی تو گوشت، مچھلی اور شراب سے لدا پھندا گھر واپس آتا تھا۔ اس کے بعد گوشت اور مچھلی پکانے میں لگ جاتا تھا۔ پھر خوب کھاتا پیتا تھا اور شراب کے جام چڑھانے لگ جاتا تھا۔ جب نشے میں بدمست ہو جاتا تو مختلف قسم کے اشعار زور زور سے گانے لگتا اور جب گاتے گاتے تھک جاتا تو پڑ کر سو جاتا۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ ساری رات عبادت و ریاضت میں بسر کرتے۔ وہ رات بھر اس شخص کی چیخ و پکار سنتے تھے اور خاموش رہتے تھے۔ ایک روز ان کے کانوں میں اس شخص کی آواز نہیں آئی۔ صبح کو انھوں نے دریافت کیا کہ کیا بات ہے، آج ہمارے پڑوسی کے ہاں سناٹا رہا۔

امام صاحب کو بتایا گیا کہ وہ رات کو گرفتار کر لیا گیا ہے اور اب وہ قید میں ہے۔ یہ سن کر آپ نے نمازِ فجر ختم کی۔ پھر خچر پر سوار ہوئے اور حاکم کے دروازے پر پہنچے۔ حاکم کو جب اطلاع ہوئی کہ امام صاحب تشریف لائے ہیں تو اس نے حکم دیا کہ امام صاحب کو اندر تک سواری پر آنے دو۔

جب وہ حاکم کے قریب پہنچے تو اس نے اٹھ کر امام صاحب کا استقبال کیا اور مسند پر اپنی جگہ انھیں بٹھایا اور پھر بڑے ادب سے پوچھا: ''میرے لائق کوئی خدمت؟''

امام صاحب نے فرمایا: ''میرا ایک پڑوسی ہے، جسے تمھارے سپاہیوں نے گرفتار کر لیا ہے۔ میں چاہتا ہوں، اسے رہا کر دو۔''

حاکم نے کہا: ''بسر و چشم اور صرف وہی نہیں، بلکہ کل رات جتنے لوگ گرفتار کیے گئے ہیں، آپ کی تشریف آوری کی خوشی میں اُن سب کو رہا کیے دیتا ہوں۔''

چناں چہ حاکم کے حکم کے مطابق تمام لوگ جو رات کو گرفتار ہوئے تھے، وہ رہا کر دیے

گئے ۔ یہ لوگ اپنے اپنے گھر خوش خوش چلے گئے ۔ امام صاحب واپس تشریف لائے ، پیچھے پیچھے آپ کا پڑوسی بھی تھا ۔ جب وہ اپنے دروازے پر پہنچا تو امام صاحب نے اس سے فرمایا: ''تمھیں کھو کر ہم نے بڑی تکلیف اٹھائی ۔''

وہ کہنے لگا: ''آپ نے میری حفاظت کی ، میری رکھوالی کی ۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے ۔ آپ کے پڑوس سے مجھے کتنا فائدہ ہوا ۔ خدا کی قسم! آج سے شراب کا ایک قطرہ بھی نہیں پیوں گا ۔''

وہ پڑوسی اپنی توبہ پر آخر وقت تک قائم رہا اور پھر کبھی نہ اس نے شراب پی اور نہ شور غل مچا کر پڑوسیوں کو تکلیف پہنچائی ۔ ☆

عجیب سزا

ہندستان کی تقسیم سے پہلے کا ذکر ہے ۔ اردو کے ممتاز شاعر فیض احمد فیض نے اپنے گھر میں ریڈیو تو رکھ لیا تھا ، مگر نہ اس کا لائسنس بنوایا تھا نہ فیس ادا کی تھی ۔ اس الزام کے تحت انھیں سول عدالت میں طلب کر لیا گیا ۔ پیشی کے دن فیض احمد فیض عدالت میں پہنچے ۔ مجسٹریٹ فیض صاحب کو ایک مخصوص کمرے میں لے گیا اور بڑی عاجزی سے بولا: ''فیض صاحب! میری بیوی کو آپ کی ایک نظم بہت پسند ہے ، وہ مجھے بار بار طعنے دیتی ہے کہ تم دو دمڑی کے مجسٹریٹ معلوم ہوتے ہو ، کیوں کہ ہمیں فیض احمد فیض کی ایک نظم بھی نہیں سنوا سکتے ، خدا رکھے آپ کے بلا لائسنس ریڈیو کو ، اس کے طفیل مجھے آپ سے یہ عرض کرنے کا موقع مل گیا ۔ آپ نے ریڈیو کا لائسنس نہ بنوا کر مقدمے کا نہیں بلکہ مجھے ملاقات کا اور میری گزارش سننے کا موقع فراہم کیا ہے اگر آپ کل شام کی چائے میرے غریب خانے پر پییں اور اپنا کلام میری بیوی کو سنائیں تو اس کی دیرینہ آرزو پوری ہو جائے گی ۔''

فیض نے جواب میں کہا: ''آپ سمن کے بغیر بھی بلاتے تو میں حاضر ہو جاتا اور نظم سناتا ۔ میں کل شام ضرور آؤں گا ۔'' اس کے بعد فیض صاحب نے مجسٹریٹ سے پوچھا: ''محض بے پروائی میں مجھ سے جو جرم سرزد ہوا ہے ، آپ نے اس کی کیا سزا تجویز کی ہے؟''

مجسٹریٹ نے جواب دیا: ''فیض صاحب! ماضی میں اگر آپ نے اس کے علاوہ بھی کچھ جرم کیے ہیں تو ان سب کی معافی کے لیے آپ کا کلام ہی کافی ہے ۔ ریڈیو لائسنس بنوا لیجیے ، بس یہی آپ کی سزا ہے ۔''

وقت دوڑ رہا ہے

شہید حکیم محمد سعید

صبح چار بجے آنکھ کھلی تو سب سے پہلا خیال یہ آیا کہ ۱۹۹۳ء کا پہلا مہینہ جنوری آج ختم ہو رہا ہے۔ ابھی تو یہ نیا سال اور پہلا مہینہ شروع ہوا تھا! ایسا لگا کہ آنکھ بند کرتے ہی سارا مہینہ ہوا ہو گیا۔ نونہالو! وقت کی رفتار تو وہی ہے، جو اس کا معمول ہے۔ سورج اور چاند بھی اپنی مقررہ رفتار سے گردش میں ہیں۔ وقت دوڑ رہا ہے یا وقت بھاگ رہا ہے، یہ سب انسان کے فکر اور اس کے ذہن کی بات ہے۔ ایک انسان ایسا ہے کہ وہ مصروف نہیں ہے، بے کار بیٹھا ہے۔ اسے ایسا لگتا ہے کہ وقت تھم تھم کر گزر رہا ہے۔ دن گزارنا اس کے لیے مشکل ہو جاتا ہے۔ ایک انسان ایسا بھی ہوتا ہے، جسے نہ اپنا ہوش ہے نہ اسے کسی دوسرے کی فکر ہے۔ بے ہوشی کے عالم میں ہے۔ اس کے لیے وقت کاٹنا مشکل ہو جاتا ہے۔ زندگی جب بے مقصد ہو جاتی ہے تو زندگی کے دن بھاری ہو جاتے ہیں۔ انسان نہ اپنے کام کا اور نہ دوسروں کے کام کا۔ نہ اپنا اور نہ دوسرے کا۔ ایسا انسان اپنے دن رات بڑی مشکل سے کاٹتا ہے۔ اسے دن کھاتا ہے، رات اُسے ڈستی ہے۔

ہاں نونہالو! ایسے بھی تو انسان ہیں جو رات دن مصروف رہتے ہیں۔ اپنے لیے نہیں، دوسروں کے لیے جیتے ہیں۔ زندہ اس لیے رہتے ہیں کہ دوسرے انسانوں کے دن رات کو آسان بنا دیں اور زندگی کو سہل کر دیں۔ ایسے مصروف انسان حیران ہوتے ہیں کہ دن ہوا بن کر اُڑ گئے اور راتیں پلک جھپکتے ہی ختم ہو گئیں۔ وقت کم ہے، کام زیادہ ہے۔

نونہالو! انسان کی زندگی کے یہ دو نمونے ہیں۔ اب تم غور کرو کہ تم کیسے انسان بننا چاہتے ہو! میرا تو مشورہ تمھارے لیے یہی ہو سکتا ہے کہ تم ایک مستعد اور مصروف انسان بنو۔ جب دن شروع ہو تو تم سوچو کہ آج کے سیکنڈ، منٹ اور گھنٹے تم کن کن اچھے کاموں میں صرف کرو گے۔

سچ تو یہ ہے کہ تمھارا وقت سب سے زیادہ علم حاصل کرنے میں گزرنا چاہیے۔ جب تم پوری طرح علم حاصل کرلو گے تو پھر تمھیں خود ہی اپنے وقت کا صحیح استعمال کرنا آ جائے گا۔ ہاں، تعلیم و تربیت کے ساتھ تم روزانہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ کم سے کم ایک اچھائی کر سکتے ہو۔ سب سے بڑی اچھائی تو یہ ہے کہ تم اپنے ہر ساتھی سے محبت کرو۔ اس کی عزت کرو۔ اسے کوئی تکلیف نہ پہنچاؤ۔ اس کے کام آؤ۔ اس کو کوئی ضرورت ہو تو اسے پورا کرو۔ آج اپنی زندگی کا آغاز اس طرح کرو گے تو تم خوش قسمت انسان بنو گے۔ ☆

لالچ کی سزا

امام ابوحنیفہؒ سفر کر رہے تھے۔ پورے راستے انھیں پانی نہیں ملا تھا۔ جب وہ ایک بیابان میں پہنچے تو انھیں سخت پیاس لگی۔ اتفاقاً انھیں ایک شخص نظر آیا۔ اس کے پاس پانی کا ایک مشکیزہ تھا۔ امام ابوحنیفہؒ نے اس سے پانی طلب کیا۔ اس نے مفت پانی دینے سے انکار کر دیا اور کہا: ''یہ مشکیزہ پانچ درہم میں دوں گا۔''

امام ابوحنیفہؒ نے پانچ درہم دے کر اس سے مشکیزہ حاصل کرلیا اور اس میں سے تھوڑا سا پانی پی کر پوچھا: ''اے اجنبی! تجھے ستو پینا پسند ہے؟

''اجنبی شخص نے جواب دیا: ''کیوں نہیں، لائیے۔''

امام ابوحنیفہؒ نے اسے ستو دے دیا۔ ستو کو زیتون کے تیل سے چکنا کیا گیا تھا۔ اجنبی شخص نے ستو ڈٹ کر پیا، مگر اس کی پیاس نہیں بجھی۔ اس نے امام ابوحنیفہؒ سے فرمایش کی: ''ایک پیالہ پانی بھی دے دیجیے۔''

امام ابوحنیفہؒ نے جواب دیا: ''پانچ درہم میں ملے گا۔'' اس شخص کو پانی بے حد طلب تھی۔ اس نے پانچ درہم نکال کے دے دیے۔ اس طرح امام ابوحنیفہؒ نے اپنے پانچوں درہم واپس لیے اور ان کے پاس کچھ پانی بھی باقی رہ گیا اور اس شخص کو خود غرضی اور لالچ کی تھوڑی سی سزا بھی مل گئی۔ ☆

سِکّوں کی دنیا

شیخ عبدالحمید عابد

سکہ دھات کا بنا ہوتا ہے، جس پر حکومت کی مہر لگی ہوتی ہے اور حکومت کی مقرر کردہ قیمت پر بازار میں چلتا ہے۔ سِکہ عام طور پر سونے، چاندی، نکل، تانبے، پیتل اور ملی جلی دھاتوں کا بنایا جاتا ہے۔ اس کی شروعات اہلِ لیڈیا نے تقریباً ۷۰۰ قبل مسیح کی۔ لیڈیا وسطی ایشیاے کوچک کا ایک خطہ ہے۔ وہاں سے یہ نظام یونان اور یورپ پہنچا، اور پھر سکہ سازی ہر ملک میں رائج ہوتی چلی گئی۔

آیئے، آپ کو سکّوں کی دنیا کی سیر کراتے ہیں۔

خلیفہ عبدالملک عرب کے پہلے خلیفہ تھے، جنھوں نے عرب دنیا کو سکّوں سے متعارف کرایا۔ انھوں نے سونے اور چاندی کے سکّے جاری کیے، جنھیں دینار اور درہم کہا جاتا تھا۔ یہ نام عرب میں آج تک رائج ہیں۔

شہنشاہ جہانگیر نے سونے اور چاندی کے بارہ مختلف قسم کے سکّے جاری کیے، جن کے ایک طرف بادشاہ کی اپنی تصویر ہوتی تھی۔

پرانے زمانے میں چین میں ایک سکہ رائج تھا، جس کا نام کیش تھا۔ یہ کانسی کا سکہ تھا، جس کے درمیان بڑا سوراخ تھا۔ یہ سکّہ صدیوں تک چین میں رائج رہا۔

۱۲۲۶ء تک یورپ میں سکّوں کی کوئی خاص شکل نہیں تھی۔ بڑی بے ڈھنگی شکل اور سائز کے سکّے پائے جاتے تھے۔ یورپ میں سب سے پہلا اچھا سکّہ لوئی دوازدہم نے بنوایا، جس پر اس کی اپنی تصویر تھی۔

فرانس کے سکّے بہت ہی انوکھے تھے۔ انقلاب کے بعد فرانس میں بہت سی تبدیلیاں

رونما ہوئیں۔ لوگ اس انقلاب میں اپنی فتح پر بہت ناز کرتے تھے، اس لیے انھوں نے ایک نئی تاریخ جاری کر دی۔ عرب میں پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کر جانے کے واقعے سے ہجری سنہ کا آغاز ہوا، جو اب اسلامی سنہ کہلاتا ہے، اسی طرح فرانس میں انقلاب کے بعد ''سنہ آزادی'' کا آغاز ہوا۔ سکّوں پر بھی اسی نئے سنہ کی تاریخیں دی جانے لگیں۔ یہ بڑی عجیب وغریب تاریخیں تھیں۔ مثلاً ایک سکّے پر لکھا تھا: ''آزادی کا پہلا سال۔'' اسی طرح ''آزادی کا دوسرا سال''، ''تیسرا سال'' وغیرہ۔ یہ سکّے تانبے کے تھے اور ان کے ایک طرف ''کلاہِ آزادی'' یعنی آزادی کی ٹوپی کا نقشہ بنا ہوا تھا۔ انقلاب کے بعد پندرہ سال تک یعنی ۱۷۹۲ء سے ۱۸۰۶ء تک سکّے اسی طرح بنتے رہے اور اُن پر تاریخیں اسی طرح لکھی جاتی رہیں۔ اسی کے بعد فرانس کے مختلف بادشاہوں نے اپنے اپنے سونے کے سکّے جاری کیے۔ ان سکّوں کو نیولین کہا جاتا تھا۔ موجودہ فرانس کی بیشتر کرنسی نوٹوں کی شکل میں ہے اور جو تھوڑے بہت سکّے رائج بھی ہیں، وہ سستی دھاتوں سے تیار کیے جاتے ہیں۔

کلاہِ آزادی والا ڈیزائن ۱۷۹۴ء میں امریکا میں بھی سکّوں کے لیے اختیار کیا گیا اور اس وقت سے اب تک مختلف شکلوں میں استعمال ہو رہا ہے۔

فیو جیو سینٹ امریکا کے سب سے پرانے سکّوں میں تھا۔ اسے فرینکلن سینٹ بھی کہتے ہیں۔ فرینکلن امریکا کا بہت بڑا ریاضی داں، صحافی، سائنس داں اور موجد تھا۔ وہ ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ اپنا کام کرو، یعنی دوسرے کے کام میں دخل نہ دو۔ فرینکلن سینٹ پر ایک طرف یہ الفاظ کندہ تھے: MIND YOUR BUSINESS اس کے ساتھ دھوپ گھڑی بنی ہوئی تھی اور لکھا تھا: ''وقت ٹھیرتا نہیں۔'' دوسری طرف تیرہ دائرے زنجیر کی کڑیوں کی طرح ایک دوسرے میں پروئے ہوئے تھے۔ ہر دائرہ امریکا کی ایک ریاست ظاہر کرتا تھا۔ درمیان میں ایک اور دائرہ تھا، جس میں لکھا تھا: ''ریاست ہائے متحدہ امریکا اور ہم ایک ہیں۔''

مسلمان ۸۹۵ء میں ہندستان آئے۔ مغل بادشاہوں نے چاندی اور سونے کے سکّے جاری کیے۔ اس سے قبل ہندستان کے لوگ مختلف فاتحین کے سکّے استعمال کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ چاندی کے سکّوں کا نام رپے اور سونے کے سکّوں کا نام ''مہریں'' پڑ گیا۔ جب ہندستان میں برطانوی حکومت قائم ہوئی تو مہر کا نام ان سونے کے سکّوں کو بھی دیا جانے لگا، جو انگریزوں نے ہندستان کے لیے ڈھالے تھے۔ اس سکّے مہر کی قیمت پندرہ چاندی کے رپے تھی اور ایک چاندی کا رپیہ انگریزی ڈیڑھ شلنگ کے برابر تھا۔ انیسویں صدی کے وسط میں مہر کی جگہ سورن نے لے لی، جس کو ہندستان کے لوگ اشرفی کہتے تھے۔

ڈیلر دنیا کا سب سے بڑا سکّہ سمجھا جاتا تھا۔ یہ سوئیڈن کا ڈالر تھا۔ بحرالکاہل کے جنوب میں واقع جزیرے کا یہ سکّہ چونے کے پتھر کا ہوتا تھا۔ اس کا نام فائی تھا۔ یہ دنیا کی سب سے وزنی کرنسی تھی۔

ڈواٹ ولندیزی سکّے تھے، جو سولہ سے انیسویں صدی تک ہالینڈ میں رائج رہے۔ یہ تانبے کے چھوٹے چھوٹے سکّے تھے، جن پر اعلان کرتے ہوئے شخص کی تصویر تھی۔

ڈالر سب سے پہلے جوہیما میں تیار کیا گیا۔ یہ چاندی کا بھاری سکّہ تھا۔ اس کا نام جوکن تھا۔ رفتہ رفتہ یہ سکّے سارے یورپ میں مقبول ہو گئے اور ان کے مختلف نام پڑ گئے، مثلاً تھیلر، ٹیلر، ویلر اور ڈالر۔ موجودہ ڈالر آسٹریلیا، چین، ملایا اور براعظم امریکا کی معیاری کرنسی ہے۔ اس وقت کئی ڈالر مشہور ہیں۔ سب سے خوب صورت ڈالر امریکا کے وہائٹ ایگل (سفید عقاب) ہیں۔ یہ دس ڈالر کا سونے کا بڑا سکّہ ہے۔ بیس ڈالر کے سکّے پر دو عقاب ہیں اور اس کا نام ڈبل ایگل ہے۔

ڈراگما یونان کا جدید سکّہ ہے، قدیم زمانے میں ڈراگما یونان کے ایک وزن کا نام تھا۔ بعد میں ایک چاندی کا سکّہ بھی اسی نام کا بنا دیا گیا۔ ڈراگما کا مطلب ہے: ''مٹھی بھر چیز۔''

☆

شیطان اور کسان

وقار محسن

''تم سب لوگ نالائق ہو۔ اگر تم لوگوں کی یہی ناقص کارکردگی رہی تو ایک دن دنیا سے بے ایمانی، نفرت، حسد، لالچ، خودغرضی، جھوٹ اور ظلم کا خاتمہ ہو جائے گا اور ہم شیطانوں کے کالے منھ مزید کالے ہو جائیں گے۔'' بل کھائی ہوئی ٹانگوں والے شیطانوں کے سردار نے چنگاریاں برساتی ہوئی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے اپنے شاگردوں کو ڈانٹا۔

''سردار! آپ یقین کریں کہ ہم لوگ دن رات اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ کوئی انسان نیکی کی طرف راغب نہ ہو، پھر بھی ستار ایدھی، مدر ٹریسا اور مارٹن لوتھر کنگ جیسے دیوانے پیدا ہو جاتے ہیں اور ان جیسے لوگ سچائی اور محبت کی شمع کو روشن رکھتے ہیں۔'' لمبوتری نوک دار ٹوپی پہنے ایک شیطان نے سر جھکا کر صفائی پیش کی۔

'' بکواس بند کرو! مقیم پور گاؤں کا ایک معمولی کسان گلاب خاں تمھارے قابو ہی میں نہیں آ رہا ہے۔ یہ بھینگا شیطان نمبر ۹۱۱ کئی سال سے اس کام پر لگا ہوا ہے، لیکن ابھی تک اس شخص کو گمراہ نہیں کر سکا۔ احمقو! ہر انسان پر ایک ہی فارمولا نہیں چلتا۔ جس کو ڈرا نہیں سکتے، اسے پھسلاؤ، رِجھاؤ، بہکاؤ، للچاؤ کسی نہ کسی طرح تو مار کھائے گا۔'' سردار کا مکروہ چہرہ غصے سے لال ہو رہا تھا اور منھ سے جھاگ نکل رہے تھے۔

''حضور! مجھے ایک موقع دیں۔ میں گلاب خاں کو ایک ہفتے میں ایسا بھٹکاؤں گا کہ پھر وہ زندگی بھر کوئی نیک کام نہیں کرے گا۔'' غبارے جیسی پھولی ناک والے شیطان نے سینے پر ہاتھ مار کر دعوا کیا۔

''بس، بس رہنے دو۔ تم سب کی کارکردگی دیکھ لی۔ اب اس کیس کو میں خود دیکھوں گا، اور ہاں دیکھو، اگلے ماہ ہم ''ہفتہ گناہ'' منا رہے ہیں۔ اس لیے اس ہفتے جو سب سے زیادہ

لوگوں کو گمراہ کرے گا، اس کو تمغاے شیطانیت دیا جائے گا۔'' سردار نے گرج کر کہا۔

گلاب خاں چھوٹے سے گاؤں مقیم پور کا ایک غریب کسان تھا۔ اپنے دو بچوں اور بیوی کے ساتھ وہ ندی کنارے اپنے چھوٹے سے جھونپڑے میں چین کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ وہ صبح سویرے ہل بیل لے کر کھیت کی طرف نکل جاتا۔ دن بھر محنت کرنے کے بعد مغرب کی نماز پڑھ کر اپنے جھونپڑے کا رخ کرتا۔ کھانا کھانے کے بعد وہ اپنے بچوں کو اپنے بازوؤں پر لٹا کر دل چسپ کہانیاں سناتا۔ گلاب خاں کے اخلاق، ایمان داری اور شرافت کی وجہ سے گاؤں کا ہر شخص اس سے محبت کرتا تھا۔

بچو! یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ شیطان ہر لمحہ انسان کو بہکانے کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ نماز کے وقت وہ چپکے سے آپ کے کان میں کہتا ہے: ''ارے چھوڑو گڈو میاں! دیکھو، آسمان پر کیسی رنگ برنگی پتنگیں اڑ رہی ہیں۔ کتنا اچھا موسم ہے۔ کچھ دیر اور کرکٹ کھیل لو۔'' صبح اسکول کے وقت آپ کے سرہانے آ کر شیطان کھڑا ہو جاتا ہے اور بہکاتا ہے: ''ارے ننھے میاں! ابھی سوتے رہو، بھلا اس سردی میں بھی کوئی اسکول جاتا ہے۔ آج تو لحاف میں لیٹ کر مونگ پھلیاں کھانے اور کارٹون دیکھنے کا دن ہے۔''

شیطان نظر نہیں آتا، لیکن اپنے شیطانی چکر چلاتا رہتا ہے۔ کبھی کبھی شیطان کسی پرندے، جانور یا انسان کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور انسان کو بہکانے کے لیے ہمدرد اور دوست بن کر آتا ہے۔

گلاب خاں کو بہکانے کے لیے بھی شیطان سردار نے یہی طریقہ اپنایا اور ایک بوڑھے مزدور کا بھیس بدل کر اس کے کھیت پر پہنچ گیا۔ دوپہر کو جب گلاب خاں نیم کی چھاؤں میں مکئی کی روٹی، پیاز اور اچار کھا رہا تھا تو شیطان ایک بوڑھے کے بھیس میں اس کے پاس پہنچا اور اپنی پریشانیوں اور دکھوں کی فرضی داستان سنا کر رونا شروع کر دیا۔ گلاب خاں سیدھا سادہ، رحم دل انسان تھا۔ اس نے آدھی روٹی بوڑھے کو دی اور کہا: ''بھائی! میں خود ایک غریب کسان ہوں،

لیکن میرا ایمان ہے کہ قناعت اور ایمان داری سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں۔ میں اس روکھی سوکھی میں بہت خوش ہوں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے نیک بیوی اور پیارے بچے دیے ہیں۔ بہر حال، اگر تم چاہو تو میرے ساتھ رہ سکتے ہو۔ دونوں محنت مزدوری کریں گے، دینے والا اللہ ہے۔''

اس طرح شیطان نے گلاب خاں کے گھر میں جگہ پیدا کر لی۔ شیطان دن رات ایسے موقع کی تلاش میں رہتا کہ وہ گلاب خاں کو بہکا سکے۔ آخر کار اس کو ایک ترکیب سوجھی۔

جب گندم کی بوائی کا موسم آیا تو شیطان نے گلاب خاں کو مشورہ دیا کہ اس بار نشیب کے علاقے میں بیج بوئے، کیوں کہ اس بار بارش کم ہونے کے امکانات ہیں۔ اتفاق سے اس سال کم بارش ہوئی اور کھیت جل گئے۔ صرف گلاب خاں کے کھیت نشیب میں ہونے کی وجہ سے محفوظ رہے اور زبردست فصل ہوئی۔ گلاب خاں کی گندم چار گنا زیادہ قیمت میں فروخت ہوئی

اور اس کے وارے نیارے ہو گئے ۔ شیطان نے اسے مشورہ دیا کہ اتنی رقم گھر کے بجائے بینک میں رکھی جائے ، جہاں رقم محفوظ رہے گی اور بڑھتی رہے گی ۔ گلاب خاں نے اس مشورے پر عمل کیا اور یوں گلاب خاں کو سود کے چکر میں پھنسا کر شیطان بہت خوش ہوا۔

اگلے سال شیطان نے گلاب خاں کو مشورہ دیا کہ اس بار بلند مقام پر بیج بویا جائے۔ اتفاق سے اس سال خوب زوردار بارش ہوئی ۔ ہر طرف جل تھل ہو گیا۔ کئی جگہ سیلاب آ گئے ۔ پچھلی بار گلاب خاں کی دیکھا دیکھی کسانوں نے نشیب میں فصل بوئی تھی ، اس لیے اس بار شدید بارشوں اور سیلاب کی وجہ سے لوگوں کی فصلیں تباہ ہو گئیں، لیکن گلاب خاں کے کھیت میں گندم کی بالیاں لہراتی رہیں ۔ اس کے گودام گندم سے بھر گئے ۔ گندم کی فصل تباہ ہونے کی وجہ سے قحط کی کیفیت تھی ، اس لیے گلاب خاں کو گندم کی منھ مانگی قیمت ملی ۔ اس نے مسجد کے سامنے والا ایک بڑا پلاٹ لے کر اپنا شان دار مکان بنوایا۔ اب گلاب خاں گاؤں کا سب سے دولت مند شخص تھا۔

جیسے جیسے گلاب خاں کی دولت کے انبار اونچے ہوتے رہے ، وہ لالچ ، خود غرضی اور غرور کی پستی میں گرتا جا رہا تھا۔ رفتہ رفتہ وہ اپنے پرانے ساتھیوں سے دور ہوتا گیا اور اس کے گرد خوشامدی لوگوں کی بھیڑ نظر آنے لگی۔

آج گاؤں والوں نے گلاب خاں کو گاؤں کا نمبر دار چنا تھا۔ آج اس کے محل نما گھر کے سامنے ایک بڑے شامیانے میں جشن تھا۔ آس پاس کے گاؤں کے زمین دار ، تھانے دار اور بڑے بڑے لوگ جمع تھے ۔ ناچ گانے کی آوازیں دور تک آ رہی تھیں ۔ شامیانے کے ایک طرف گاؤں کے غریب کسان اور بچے اس انتظار میں کھڑے تھے کہ آج ان کو بھی پیٹ بھر کر اچھا کھانا نصیب ہو گا۔

اسی دوران گلاب خاں زرق برق لباس پہنے اپنے کسی مہمان کا خیر مقدم کرنے کے لیے آ رہا تھا وہ سامنے خستہ حال لوگوں کا ہجوم دیکھ کر آگ بگولا ہو گیا۔ دو تین لوگوں کو ٹھوکریں مارنے کے بعد اس نے نوکروں کو حکم دیا کہ ان لوگوں کو دھکے دے کر باہر نکال دیا جائے ۔ جب وہ غصے میں گھر میں داخل ہوا تو اس کی بیوی نے اس کے نامناسب رویے پر اعتراض کیا تو اس نے

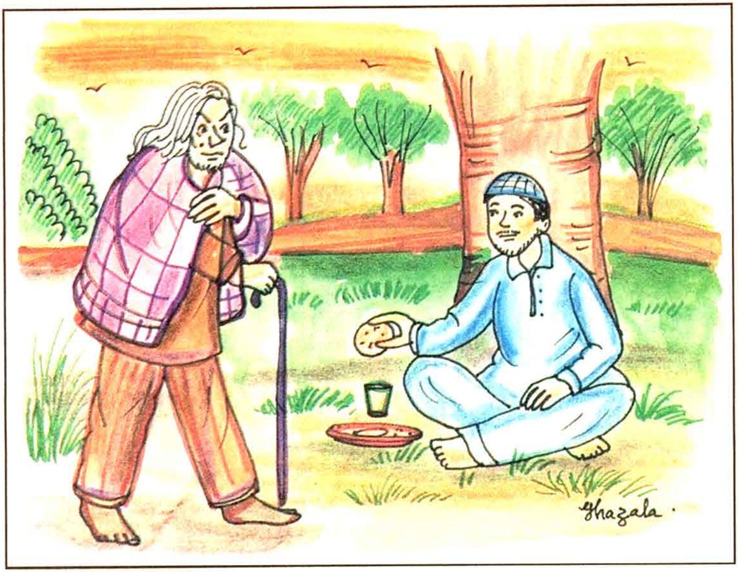

اپنی بیوی کو بھی مارنا شروع کر دیا۔ اس کے بچے ایک کونے میں سہمے کھڑے تھے اور حیران تھے کہ ان کے باپ کو کیا ہو گیا ہے۔

رات کو جب محفل ختم ہوئی اور مہمان ایک ایک کر کے چلے گئے تو کچھ دیر بعد چاروں طرف سناٹا چھا گیا۔

بستی کے باہر پیپل کے درخت کے نیچے شیطانوں کا سردار خوشی سے قہقہہ لگاتے ہوئے اپنے شاگردوں سے کہہ رہا تھا: ''وہ دیکھو! تم لوگ اتنے عرصے سے ایک معمولی شخص کو گمراہ کرنے میں ناکام رہے۔ میں نے مختصر عرصے میں اس کو لالچ، ہوس، دولت، خود غرضی کے جال میں پھانس کر کس پستی میں پہنچا دیا۔ آج ہر شخص اس سے نفرت کرتا ہے۔ یہی ہماری فتح ہے۔ کچھ دن پہلے گلاب خاں کی زندگی چھوٹی چھوٹی خوشیوں اور سکون سے روشن تھی۔ آج وہ غرور، لالچ اور نفرت کی کیچڑ میں لتھڑا لوگوں کے لیے عبرت کا نمونہ بنا کھڑا ہے۔''

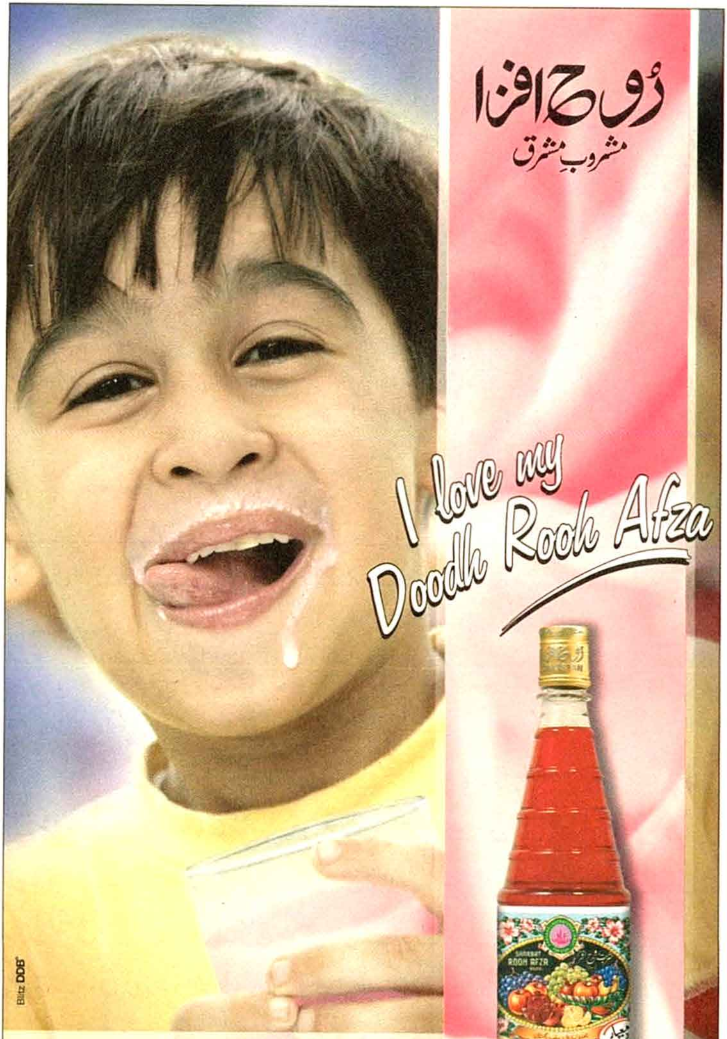

رُوح افزا
مشروبِ مشرق
I love my Doodh Rooh Afza
Blitz DDB
National Brands of the year Award 2006-07
Export Brands of the year Award 2006-07
SGS
Hamdard
SGS
Hamdard Laboratories (Waqf) Pakistan
ISO 9001: 2000 & ISO 22000: 2005 CERTIFIED
Tel: (009221) 6616001-4, Email: hamdard@khi.paknet.com.pk, www.hamdard.com.pk

کویل کا تحفہ

معراج

ترکی ایک گاؤں میں دو غریب موچی رہتے تھے۔ وہ دونوں گزر بسر کے لیے بہت محنت سے کام کرتے۔ ان کے پاس تھوڑی سی زمین بھی تھی، جس کی پیداوار ان کے لیے کافی ہو جاتی۔ اتفاق سے ایک نیا موچی گاؤں میں آ گیا۔ گاؤں کے سب لوگ اس سے جوتے مرمت کروانے لگے۔ اس سال سردی اور بارش کی وجہ سے جو کی فصل خراب ہوگئی۔ یہاں تک کہ دونوں بھائیوں کو گزارا کرنا مشکل ہو گیا۔

ان کی جھونپڑی گاؤں کے باہر تھی۔ اس سے آگے جنگل تھا۔ سخت برف باری سے جنگل

کے درختوں پر برف جم گئی تھی۔ ان کی جھونپڑی کے باہر ایک درخت گر پڑا تھا۔

دونوں بھائیوں نے درخت کو کاٹ کر اس کی لکڑی جلائی، پھر وہ درخت کے کھوکھلے تنے کو جھونپڑی میں لے گئے اور اس پر بیٹھ کر آگ تاپنے لگے۔ کچھ دیر بعد انھیں درخت کے کھوکھلے تنے میں کویل کے کوکنے کی آواز سنائی دی: ''......کوکواو۔ کوکواو......۔''

اس کے ساتھ ہی ایک کویل ایک سوراخ سے نکلی اور سامنے میز پر جا کر بیٹھ گئی۔ دونوں بھائی اس پرندے کو دیکھ کر بہت حیران ہوئے، لیکن انھیں اس وقت اور زیادہ حیرانی ہوئی، جب کویل نے انسانی آواز میں کہا: ''یہ کون سا موسم ہے؟''

شاکر نے کہا: ''یہ سردی کا موسم ہے اور برف باری ہو رہی ہے۔''

کویل بولی: ''اوہو! آگ کی گرمی سے میں سمجھی کہ موسم گرما آ گیا ہے۔ تم نے میرا گھونسلا تو خراب اور برباد کر دیا ہے، اس لیے گرمیوں کے آنے تک تم مجھے اپنے ساتھ رہنے دو۔ میرے لیے درخت کے تنے کا سوراخ ہی کافی ہے۔ جب گرمیوں کا موسم آئے گا تو میں اپنے سفر پر روانہ ہو جاؤں گی۔ واپسی پر میں تمھارے لیے کوئی تحفہ لاؤں گی، جس سے تمھاری مصیبتیں کم ہو جائیں گی۔''

شاکر بولا: ''تم بہت شوق سے ہمارے ساتھ رہ سکتی ہو۔ میں تمھارے لیے ایک گھونسلا بنا دیتا ہوں۔ تم گرمیوں کے آنے تک اس میں آرام کرو۔ تمھیں بھوک لگ رہی ہوگی، اس لیے میں تمھیں اپنے حصے کی آدھی روٹی دے رہا ہوں۔''

کویل نے روٹی کھائی اور پانی پیا۔ پھر وہ شاکر کے بنائے ہوئے گھونسلے میں جا کر سو گئی۔

ایک دن صبح سویرے کویل کی کوکو سے وہ بیدار ہو گئے۔ ان کے سامنے والی کھڑکی میں کویل بیٹھی ہوئی تھی اور کوک کر بہار کے آنے کا اعلان کر رہی تھی۔ اس نے کہا: ''میں اب دنیا کے سفر پر جا رہی ہوں، تاکہ ہر جگہ بہار کے آنے کا پیغام پہنچا دوں۔ اب تم مجھے بتاؤ کہ واپس آتے

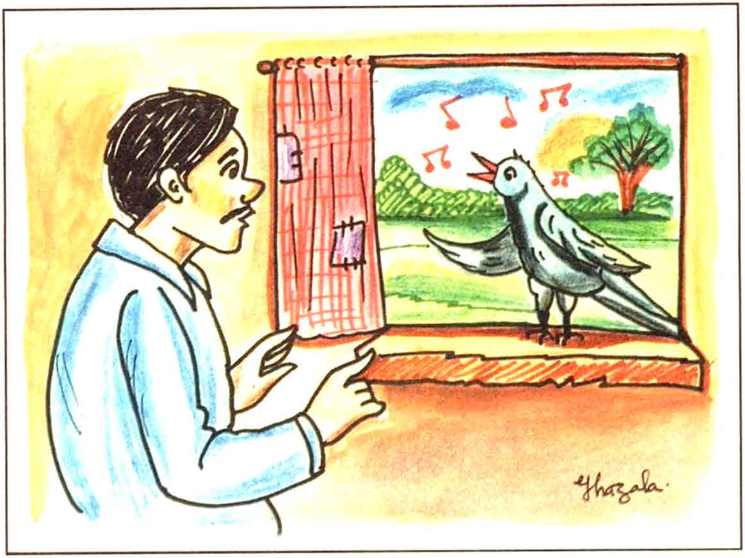

وقت میں تمھارے لیے کیا تحفہ لاؤں؟''

لالچ سے فضلو کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ وہ بولا: ''تم نے دنیا کا کونا کونا دیکھا ہوا ہے۔ تم میرے لیے کوئی بڑا سا ہیرا یا قیمتی موتی لے آؤ، تاکہ ہماری مصیبتوں کا دور ختم ہو جائے۔''

کویل بولی: ''مجھے ہیرے جواہرات کا تو علم نہیں۔ یہ چٹانوں کے اندر چھپے ہوئے ہوتے ہیں اور موتی دریاؤں کی تہ میں ہوتے ہیں، اس لیے ان کا نکالنا میرے بس میں نہیں ہے۔ یہاں سے بہت دور ایک کنواں ہے، جس کے کنارے پر دو درخت ہیں۔ ان میں سے ایک سنہری درخت کہلاتا ہے۔ اس کے پتے سونے کے ہیں۔ دوسرا درخت زیتون کا ہے۔ یہ ہمیشہ ہرا بھرا رہتا ہے۔ اس کے متعلق مشہور ہے کہ جو کوئی اس کے پتوں کو اپنے پاس رکھے گا، اس کی عقل اور دانش میں اضافہ ہوگا۔ ہر مصیبت کے باوجود اس کا دل مطمئن رہے گا۔ اگر وہ کسی جھونپڑی میں

BAKE
PARLOR®
سب ہی کھاتے ہیں
جو روٹھے تو مناتے ہیں
Lites
SAIHA

رہتا ہے تو اپنے آپ کو محل میں رہنے والوں سے زیادہ خوش خرم سمجھے گا۔''

شاکر بولا: ''پیاری کویل! تم مجھے زیتون کا پتا لا کر دینا۔''

فضلو بولا: ''تم بالکل احمق ہو۔ تم نے سونے کا پتا کیوں نہ مانگا؟ پیاری کویل! تم مجھے سونے کا پتا لا کر دینا۔''

کویل نے انھیں اللہ حافظ کہا اور کھلی ہوئی کھڑکی سے اڑ کر نکل گئی۔ وہ میدانوں اور چراگاہوں پر سے اڑتی ہوئی چلی جارہی تھی۔ اس کے ساتھ وہ چیخ چیخ کر بہار کے آنے کا اعلان کرتی جارہی تھی۔

اس سال دونوں بھائیوں نے بہت تنگی ترشی سے وقت گزارا۔ لوگوں نے ان سے جوتے مرمت کروانے بند کر دیے۔ ان کی کھیتی سے باجرے کی فصل بھی تھوڑی پیدا ہوئی۔ سال ختم ہوتے ہوتے ان کی حالت بہت خراب ہوگئی اور فاقہ کشی تک نوبت جا پہنچی۔

بہار کا موسم شروع ہوا تو کسی نے ان کے دروازے پر دستک دی اور پھر کویل کی آواز سنائی دی: ''کوکواو۔ کوکواو۔ میرے دوستو! دروازہ کھولو۔ میں تمھارے لیے تحفہ لائی ہوں۔''

شاکر نے جلدی سے دروازہ کھولا۔ کویل ان کی جھونپڑی میں داخل ہوئی۔ اس کی چونچ میں دو پتے تھے۔ ایک بہت بڑا سا سونے کا پتا اور دوسرا زیتون کا سبز پتا۔ کویل نے سونے کا پتا فضلو کو اور زیتون کا پتا شاکر کو دیا اور بولی: ''دنیا کے آخری سرے سے میں تمھارے لیے یہ پتے لے کر آئی ہوں۔ تم مجھے کھانے کو کچھ دو۔ مجھے ابھی شمالی ملکوں میں جانا ہے، تاکہ میں وہاں بھی بہار آنے کی خوش خبری سنادوں۔''

شاکر نے اپنے حصے کی روٹی کویل کے آگے ڈال دی۔ کویل روٹی کھانے لگی۔ فضلو، شاکر کو سونے کا پتا دکھا کر بولا: ''تم نے میری عقل مندی دیکھی؟ اب تم اپنے لیے بھی ایسا پتا منگوانا۔''

کویل شاکر سے بولی: ''اگر تم بھی اپنے لیے سونے کا پتا منگوانا چاہتے ہو تو مجھے بتادو۔

اگلے سال میں تمھیں بھی ایسا ہی پتا لا کر دے دوں گی۔''

شاکر نے جواب دیا: ''تم میرے لیے زیتون کا پتا ہی لانا۔''

فضلو بولا: ''تم میرے لیے سونے کا پتا لانا۔'' یہ سن کر کویل دوبارہ اپنے سفر پر روانہ ہوگئی۔

فضلو دانت پیس کر بولا: ''تم نے دولت مند ہونے کا سنہری موقع کھو دیا۔ زیتون کے پتوں سے تمھیں کیا فائدہ پہنچے گا؟ آخر تم رہے بدھو کے بدھو۔''

فضلو اسے جلی کٹی سناتا رہا، لیکن جواب میں شاکر ہنس کر کہتا کہ بھائی! قناعت سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں۔ یہ مال و دولت سب آنی جانی چیز ہے۔

فضلو غصے ہو کر بولا: ''تم مجھ جیسے شریف اور معزز شخص کے ساتھ رہنے کے قابل نہیں ہو۔ آج سے میرے اور تمھارے راستے جدا جدا ہیں۔''

یہ کہہ کر اس نے سنہری پتا اٹھایا اور جھونپڑی سے باہر چلا گیا۔ گاؤں والوں میں سے جس جس نے شاکر کی بے وقوفی سنی، وہ ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔ سب لوگوں نے فضلو کی عقل مندی کی داد دی۔ اب وہ فضلو نہیں رہا تھا، بلکہ چودھری فضل خاں کہلانے لگا تھا۔ سچ ہے مایا، تیرے تین نام، پرسا، پرسو، پرس رام۔ اب گاؤں کے لوگ عزت و احترام سے اس کا نام لینے لگے تھے۔ معزز اور مال دار لوگ اپنے جوتے مرمت کرانے کے لیے اس کے پاس بھیجتے تھے۔ کچھ ہی دنوں میں فضل خاں نے شادی بھی کر لی۔ شادی کی دعوت میں گاؤں کے سب لوگ تھے۔ صرف شاکر کو دعوت نامہ نہیں بھیجا گیا تھا، کیوں کہ فضل خاں کے خیال کے مطابق وہ غریب اور بے وقوف تھا اور خاندان کے نام پر دھبا۔ اب فضل خاں امیرانہ شان شوکت سے زندگی بسر کر رہا تھا، لیکن عجیب بات تھی کہ وہ اور اس کی بیوی ہمیشہ ناخوش اور پریشان ہی رہے۔

اخراجات کو پورا کرنے کے لیے فضل خاں سونے کے پتے کو توڑ توڑ کر فروخت کرتا رہا۔ آخر ایک دن پتے کا آخری ٹکڑا بھی بک گیا۔ اب فضل خاں پہلے کی طرح مفلس ہو چکا تھا۔

جب موسم بہار شروع ہوا تو کویل پھر آئی۔ فضل خاں اور اس کی بیوی نے کویل کی بہت خاطر مدارات کی۔ وہ اس کے لیے بہت سی چیزیں لے کر آئے، لیکن کویل نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ وہ بولی: ''میں غریب شاکر کے گھر کی روکھی سوکھی روٹی کھانا زیادہ پسند کرتی ہوں۔''

اسی طرح نہ جانے کتنے ہی سال گزر گئے۔ فضل خاں سونے کے پتے لیتا رہا اور شاکر زیتون کے پتوں پر شکر ادا کرتا رہا۔

ایک دن اس ملک کا بادشاہ شکار کھیلتا ہوا ادھر آ نکلا۔ وہ بہت فکر مند اور پریشان رہتا تھا۔ اس کا بیٹا، شہزادہ نورالدین نافرمانی کرتا تھا۔ وزیر اس کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے۔ شمالی علاقے میں بغاوت ہوگئی تھی۔ ملک میں افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ ان باتوں نے بادشاہ کا چین، سکون غارت کر دیا تھا۔ اچانک بادشاہ کی نظر شاکر پر پڑی۔ وہ پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ اس کے چہرے سے لگتا تھا کہ وہ کئی وقت کا بھوکا ہے، لیکن پھر بھی وہ بے حد مطمئن اور خوش نظر آتا تھا۔

بادشاہ کو یہ دیکھ کر بہت حیرانی ہوئی۔ شاکر نے بتایا: ''عالی جاہ! قناعت سب سے بڑی نعمت ہے۔ جسے قناعت کی دولت میسر ہے، اسے نہ کوئی پریشانی ہے اور نہ کوئی غم۔''

بادشاہ کو شاکر کی بات پسند آئی۔ وہ بہت دیر تک شاکر کے پاس رہا۔ اس وقت اس کے ذہن سے سب پریشانی جاتی رہی۔ شاکر کے پاس بادشاہ کے آنے اور پھر اس کی پریشانی دور ہونے کی بات بہت جلد ہر جگہ پھیل گئی۔ لوگ اس کے پاس اپنی پریشانیاں لے لے کر آتے اور شاکر ان کی فکر اور پریشانی کا حل بتا دیتا اور پھر وہ خوش خوش اپنے گھروں کو واپس چلے جاتے۔ امیر لوگ اسے انعام دیتے اور غریب لوگ ڈھیروں دعائیں دیتے۔ اب شاکر بھی اچھی اور خوش حال زندگی گزارنے لگا تھا۔ ایک دن بادشاہ نے شاکر کو بلانے کے لیے اپنا خادم بھیجا۔

خادم شاکر کی جھونپڑی پر پہنچا اور اس نے بادشاہ کا حکم نامہ دکھا کر کہا: ''عالی قدر

سلطانِ معظم نے تمھیں فوراً دربار میں طلب کیا ہے۔''

شاکر نے کہا: ''کل صبح موسمِ بہار کا پہلا دن ہے۔ میں سورج نکلنے سے پہلے کہیں نہیں جا سکتا۔''

خادم، شاکر کی جھونپڑی کے باہر ٹھیرا رہا۔ دن نکلتے ہی کویل آئی۔ اس نے زیتون کا پتا شاکر کو دیا۔ شاکر نے کہا: ''پیاری کویل! بادشاہ نے مجھے اپنے دربار میں طلب کیا ہے۔ کیا تم مجھ سے ملنے کے لیے محل میں آیا کرو گی؟''

کویل بولی: ''اونچے اونچے محل حقیقت میں قید خانے ہوتے ہیں۔ یہاں نفرت، عداوت، حسد اور آپس کے جھگڑے ہیں۔ ایسی جگہ میرا دم گھٹنے لگتا ہے۔ میں تم سے ملنے کے لیے وہاں نہ آ سکوں گی۔ تم زیتون کے ان پتوں کی حفاظت کرنا اور انھیں اپنے سے کبھی جدا نہ کرنا۔''

کویل نے روٹی کا ٹکڑا کھایا اور بولی: ''اب تم مجھے اجازت دو۔ اللہ حافظ۔''

شاکر کو کویل کی جدائی پر بہت رنج ہوا۔ اس نے زیتون کے پتے چمڑے کی کرتی کے استر کے اندر سیے۔ پھر وہ یہ کرتی پہن کر بادشاہ کے خادم کے ساتھ دربار کی طرف روانہ ہو گیا۔

جب وہ محل میں داخل ہوا تو درباری اسے دیکھ بہت حیران ہوئے اور آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ آخر بادشاہ نے اس معمولی سے شخص میں کیا بات دیکھی ہے، جو اسے محل میں بلا لیا۔

جب بادشاہ کے وزیروں نے موچی سے گفتگو کی تو اس کے جوہر کھلنے لگے۔ شہزادے، وزیر، امیر اور درباری جس جس نے بھی شاکر سے گفتگو کی، اس کے دل کا بوجھ کم ہو گیا۔ دربار میں ایسی تبدیلی آئی، جو پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آئی تھی۔ لوگ آپس کی رنجشیں بھول گئے۔ ان کے دلوں سے حسد، رقابت اور نفرت کے جذبات دور ہو گئے۔

بادشاہ نے شاکر کے لیے ایک کمرا مخصوص کر دیا۔ بادشاہ کے تخت کے برابر شاکر کی

کرسی رکھ دی گئی۔ درباریوں نے اس کی خدمت میں بہت سے تحفے پیش کیے۔ وزیروں نے ریشم اور زربفت (سونے کی تاروں سے بنا ہوا) کے لباس پیش کیے لیکن موچی نے اپنی چمڑے کی کرتی پہننی نہ چھوڑی، محل کے سب لوگوں نے اس بات کو سخت ناپسند کیا۔

بادشاہ نے کہا: ''تم یہ کرتی کسی فقیر کو کیوں نہیں دے دیتے؟''

شاکر نے کہا: ''عالی جاہ! محل میں داخل ہونے سے پہلے یہی میرا لباس تھا۔ یہ لباس پہن کر میرے دل میں غرور اور تکبر پیدا نہیں ہوتا۔''

بادشاہ کو شاکر کا یہ جواب پسند آیا۔ اس نے حکم دیا کہ آیندہ کوئی شخص شاکر سے کرتی کے متعلق کچھ نہیں کہے گا۔

اگلے سال کویل پھر آئی۔ اس دفعہ وہ فضل خاں کے لیے سونے کے دو پتے لائی تھی۔ اب شاکر کے لیے زیتون کا پتا لانے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ فضل خاں نے سونے کا ایک پتا فضول خرچیوں میں ختم کر ڈالا۔ اس کی بیوی نے کہا: ''آخر ہم کب تک تنگی ترشی سے زندگی بسر کرتے رہیں گے۔ تمھارا بھائی شاکر کیسی شاہانہ زندگی گزار رہا ہے۔ میں تو کہتی ہوں کہ تم اپنا بوریا بستر سمیٹو اور محل کا راستہ لو۔ مجھے یقین ہے کہ وہ تمھیں کہیں کا نواب بنا دے گا۔''

فضل خاں نے اپنا سامان باندھا، سونے کا پتا ایک رومال میں لپیٹا اور پھر وہ دونوں سفر پر روانہ ہو گئے۔ وہ بہت دیر تک چلتے رہے۔ دوپہر کے وقت وہ ایک جنگل میں پہنچے۔ وہ بری طرح تھک چکے تھے۔ فضل خاں کی بیوی بولی: ''ارے! تم تو عقل سے بالکل ہی پیدل ہو۔ تم نے سفر کے لیے کسی سواری کا انتظام کیوں نہ کیا؟ آخر یہ سونا ہمارے کس دن کام آئے گا؟''

فضل خاں نے رومال کھول کر سونے کا پتا دیکھا۔ ایک چالاک بڑھیا بہت دیر سے ان کا پیچھا کر رہی تھی۔ وہ درخت کے پیچھے چھپی ہوئی تھی۔ اس نے ان کی سب باتیں سن لیں، پھر پتے کی جھلک بھی دیکھ لی۔ وہ درخت کے پیچھے سے نکلی اور ان کی پاس پہنچی۔ وہ چاپلوسی سے

بولی: ''عالی قدر نواب صاحب اور محترمہ بانو صاحبہ! کنیز کا سلام قبول فرمایئے۔''

فضل کی بیوی نے پوچھا: ''تم نے کیسے جانا کہ ہم نواب ہیں؟''

بڑھیا بولی: ''عالی قدر! آپ کی شکل صورت سے ہی اندازہ ہوجاتا ہے کہ آپ خاندانی نواب ہیں۔ سرکار! کیا آپ مجھے اپنی میز بانی کی عزت بخشیں گے؟''

بڑھیا نے ایسی خوشامد کی کہ دونوں اس کے جال میں آ گئے۔ وہ دونوں بھوکے پیاسے تو تھے ہی، انھوں نے بڑھیا کی دعوت قبول کر لی۔

بڑھیا نے اپنا تھیلا کھولا اور بولی: ''حضور! آپ نے ہمیشہ مزے مزے کے کھانے کھائے ہوں گے۔ آج اس غریب بڑھیا کے ہاتھ کے پکے ہوئے پھیکے اور سادہ کھانے بھی کھایئے۔ سرکار! مکھن لگی ہوئی روٹی، کباب، کوفتے اور آم کا اچار حاضر ہے۔''

فضل خاں اور اس کی بیوی نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ پھر بڑھیا نے انھیں گلاب کا شربت پیش کیا۔ اس میں کوئی نشہ آور چیز ملی ہوئی تھی۔ اسے پیتے ہی ان کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ جلد ہی وہ خوابوں کی دنیا میں پہنچ گئے اور نوابی کے خواب دیکھنے لگے۔

بڑھیا کے دو بیٹے ٹوٹو اور گولی تھے۔ وہ بڑھیا کے ساتھ ہی رہتے تھے۔ فضل خاں اور اس کی بیوی سو گئے تو بڑھیا نے چیخ کر کہا: ''اے احمقو! کہاں مر گئے ہو؟''

وہ دونوں لپک کر بڑھیا کے پاس پہنچے۔ بڑھیا بولی: ''اب میرا منھ کیا دیکھ رہے ہو، جلدی سے مال سمیٹو اور بھاگ چلو۔'' پھر وہ ٹوٹو سے بولی: ''آج تمھاری کیا کارگزاری رہی؟ تم نے کچھ مال اڑایا، یا یوں ہی خالی ہاتھ چلے آئے؟''

ٹوٹو نے کہا: ''اماں! آج جب میں محل سرا کے پاس سے گزر رہا تھا تو کسی نے یہ چمڑے کی کرتی اوپر سے پھینکی۔ یہ کرتی ہے تو بے کار ہی، لیکن میں اسے آپ کے حکم کی تعمیل کرنے کے لیے لیتا آیا ہوں۔''

یہ کہہ کر اس نے ایک گٹھری بڑھیا کی طرف پھینکی۔ بڑھیا تیوری چڑھا کر بولی: ''ارے احمق! یہ گدڑی میرے کس کام کی ہے؟'' یہ کہہ کر بڑھیا نے وہ کرتی فضل خاں پر ڈال دی۔ بڑھیا نے سب سامان سمیٹا، پھر وہ تینوں ہنستے ہوئے وہاں سے چل دیے۔ بہت دیر بعد فضل خاں اور اس کی بیوی کی آنکھ کھلی۔ انھیں یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوا کہ ان کی چیزیں اور سونے کا پتا سب چوری ہو چکے ہیں۔ یہ دیکھ کر فضل کی بیوی چیخیں مار کر رونے لگی۔

شام کے وقت خاصی سردی ہو گئی۔ فضل خاں نے چمڑے کی وہ کُرتی پہن لی، جو اس کے نزدیک ہی پڑی ہوئی تھی۔ جیسے ہی اس نے کُرتی کے بٹن لگائے، اس کی دلی کیفیت میں ایک عجیب تبدیلی واقع ہو گئی۔ وہ رونے دھونے کے بجائے ہنسنے مسکرانے لگا۔ اس کی بیوی کے دل سے بھی رنج و ملال جاتا رہا۔ انھوں نے جنگل میں ایک گھر بنایا۔ فضل خاں ایک گھونسلے سے انڈے نکال لایا۔ اس کی بیوی نے انھیں بھونا، پھر دونوں کھا پی کر گھاس کے ڈھیر پر لیٹ گئے اور سو گئے۔

وہ جنگل میں رہتے رہے۔ انھوں نے اپنی جھونپڑی کو کافی بڑا بنا لیا تھا۔ وہ پرندوں کے انڈوں اور جنگلی پھلوں پر گزارا کرنے لگے تھے۔ دربار جانے کا خیال ان کے دل سے جاتا رہا۔

ادھر شاکر کا حال سنیے۔ جب وہ صبح کے وقت جاگا تو اسے معلوم ہوا کہ اس کی کُرتی گم ہو چکی ہے۔ اس نے نوکروں سے پوچھا، مگر کسی نے جواب نہ دیا۔ محل کو کونا کونا چھان مارا، لیکن کرتی نہ ملنی تھی نہ ملی۔ اس وقت سے اس کے حالات اپنی پرانی ڈگر پر آ گئے۔ لڑائی جھگڑے ہونے لگے، وزیر ایک دوسرے سے حسد کرنے لگے، بادشاہ کی فکر اور پریشانی بڑھ گئی۔

شاکر کی سب صلاحیتیں اس کی کُرتی کے ساتھ تھیں۔ جب وہ نہ رہی تو صلاحیتیں بھی جاتی رہیں۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے اس کا ذہن بالکل ناکارہ ہو چکا ہے۔ درباریوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ اس موچی کا یہاں پر کیا کام؟ بادشاہ نے تحقیقات کا حکم دے دیا کہ یہ موچی یہاں کیوں آیا اور اس درجے تک کس طرح پہنچا۔ تحقیقات کے نتیجے میں یہ بات سامنے آئی کہ موچی

خواہ مخواہ محل میں ٹھیرا ہوا ہے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ موچی کو محل سے باہر نکال دیا جائے اور اس کی ہر ایک چیز ضبط کر لی جائے۔ فرمان جاری ہوا اور ایک نوکر ضبطی کا حکم لے کر کمرے میں داخل ہو گیا اور قیمتی چیزوں پر قبضہ کرنے لگا۔ شاکر کھڑکی کے راستے بھاگ نکلا۔ اس کو بھاگتا دیکھ کر ایک راہ گیر بولا: ''آج صبح اس کھڑکی سے ایک کرتی باہر آ کر گری، اب کرتی کا مالک کھڑکی سے باہر کود رہا ہے۔''

شاکر نے راہ گیر کا ہاتھ پکڑ لیا اور منت بھرے لہجے میں بولا: ''کیا تم بتا سکتے ہو کہ وہ کُرتی کس کے پاس ہے؟''

راہ گیر بولا: ''ایک لڑکا اس کُرتی کو اٹھا کر جنگل کی طرف بھاگا تھا۔''

شاکر بولا: ''اگر تم مجھے اس لڑکے کے پاس لے چلو، تو میں تمھیں بہت انعام دوں گا۔''

راہ گیر بولا: ''تم اس راستے پر چلتے رہو۔ جہاں یہ ختم ہو جائے، وہاں ایک گھر ہے۔ شاید تمھاری کرتی کے متعلق کچھ خبر مل جائے۔''

شاکر نے اپنا بٹوا اسے انعام میں دے دیا اور راہ گیر کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے لگا۔ وہ جنگل میں داخل ہو گیا۔ رات ہو گئی تھی۔ اندھیرے میں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ دور ایک جگہ آگ جل رہی تھی۔ وہ اسی سمت میں بڑھتا رہا۔ آخر وہ ایک مکان کے پاس جا پہنچا۔ مکان کا دروازہ ادھ کھلا تھا۔ اس نے اندر جھانک کر دیکھا۔ وہاں اس کا بھائی فضل خاں (فضلو) سو رہا تھا۔ اس کے سرہانے وہی کُرتی رکھی ہوئی تھی۔ اس کے قریب ہی ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ شاکر سمجھ گیا کہ یہ افضل کی بیوی ہے۔

وہ دستک دے کر مکان میں داخل ہوا اور دھیمی آواز سے سلام کیا۔ شاکر کی بھاوج نے اسے نہیں پہچانا۔ اس نے بہت اخلاق سے اسے خوش آمدید کہا۔ وہ بولی: ''بھائی صاحب! دھیمی آواز میں گفتگو کیجیے۔ میرے شوہر ابھی سوئے ہیں۔''

شاکر نے کہا: ''بی بی! میں راستے سے بھٹک کر ادھر آ نکلا ہوں۔ میں دراصل بادشاہ

کے دربار میں ملازم ہوں۔''

عورت نے پوچھا: ''اچھا یہ تو بتایئے کہ دربار کا کیا حال ہے؟ بہت دن پہلے میں بھی وہاں جانے کے خواب دیکھا کرتی تھی، لیکن اب میں اپنے اس احمقانہ خیال پر ہنستی ہوں۔''

شاکر نے پوچھا: ''آپ وہاں کیوں جانا چاہتی تھیں؟''

عورت نے کہا: ''میرے شوہر کا بھائی دربار میں ملازم ہے۔ ہم بھی اپنی قسمت آزمانے نکلے تھے، لیکن ایک بڑھیا نے ہمیں نشہ آور شربت پلا کر بے ہوش کر دیا اور ہمارا سب کچھ چھین کر لے گئی۔ جاتے وقت وہ یہ پرانی سی کرتی یہاں پھینک گئی ہے۔''

شاکر نے اپنا قیمتی کوٹ اتار کر رکھ دیا اور بولا: ''بی بی! میرا خیال ہے کہ آپ کا شوہر اس پرانی کرتی کی جگہ اس قیمتی کوٹ کو ضرور پسند کرے گا۔''

عورت نے اپنے شوہر کو جھنجوڑ کر بیدار کیا اور بولی: ''دیکھو تو سہی، میں نے کیسا عمدہ سودا کیا ہے؟''

فضل خان نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ اس کے سامنے اس کا بھائی شاکر کھڑا ہوا مسکرا رہا تھا۔ فضل نے آگے بڑھ کر اپنے بھائی کو گلے لگایا اور کہا: ''بھائی! تم ٹھیک تو ہو؟ تم نے دربار میں کیا کچھ دیکھا؟ وہاں کتنی ترقی پائی؟''

شاکر بولا: ''بھائی! دربار کا عروج بھی دیکھا اور زوال بھی۔ سچ پوچھو تو ان ہنگاموں سے میرا دل بھر چکا ہے۔ اب تو دل چاہتا ہے کہ اپنی جھونپڑی میں سکون اور آرام سے رہوں۔''

فضل اور اس کی بیوی بھی گاؤں واپس چلنے پر رضا مند ہو گئے۔ دونوں بھائیوں نے ایک بار پھر وہی اپنا کام سنبھال لیا۔

کویل اب بھی ہر سال موسم بہار شروع ہوتے ہی ان سے ملنے کے لیے آتی ہے۔ اب وہ ان دونوں کے لیے زیتون کے پتے لاتی ہے۔ ☆

ماں وقارِ ہستی ہے

لبنیٰ بدر

ماں ہماری وقارِ ہستی ہے
ان کے دم سے بہارِ ہستی ہے
رات دن کتنا کام کرتی ہیں
گھر کو جنت مقام کرتی ہیں

ہے انھیں فکر دادا ، دادی کی
چُنّی ، مُنّی کی ، شیری ، سعدی کی
بانٹیں سب ہی کو چاہتیں یکساں
پوری ہوں سب کی غایتیں یکساں

سارے گھر بھر کی چارہ گر ہمدم
اپنے پیاروں سے باخبر ہر دم
کچھ صلہ ہم بھی دے دیں چاہت کا
حق ادا کردیں ان کی محنت کا

باادب ، باوقار بن جائیں
ماں کے دل کا قرار بن جائیں

علم دریچے

زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرنے کی عادت ڈالیے اور اچھی اچھی مختصر تحریریں جو آپ پڑھیں، وہ صاف نقل کر کے ہمیں بھیج دیں، مگر لکھنے والے کا نام بھی ضرور لکھیں۔

شاہ بھٹائیؒ

شاعر: خانزادہ سمیع الوری

پسند: اسد رفیق خانزادہ، نوشہرو فیروز

سندھ نے جن سے عظمت پائی
یہ ہیں بچو! شاہ بھٹائی
صوفی بھی ہیں، شاعر بھی ہیں
علم و ہنر میں ماہر بھی ہیں
شاہ لطیف، جو نام ہے ان کا
رشد و ہدایت کام ہے ان کا
اپنے وقت کے بڑے ولی ہیں
ولی بھی بعنوانِ جلی ہیں
شعروں میں حق بات کہی ہے
ساری دنیا مان گئی ہے
اب تک ان کا نام ہے زندہ
سدا رہیں گے یہ پائندہ
بچو! کیا تم نے دیکھا ہے
میلا بھٹ شاہ میں لگتا ہے

کس جرم میں

مرسلہ: محمد شعیب مصطفےٰ، سرگودھا

دو کم عمر لڑکے بڑی تیزی سے موٹر سائیکل پر جا رہے تھے۔ چوراہے پر ایک موٹر سائیکل سوار سپاہی نے انھیں روکا، لیکن وہ نہ رکے تو سپاہی نے ان کا پیچھا کیا اور بڑی مشکل سے کافی دور جا کر پکڑا۔ سپاہی بولا: ''میرے اشارے پر کیوں نہیں رکے؟''

پہلا لڑکا بولا: ''بریک کمزور ہیں، رکتے کیسے؟''

سپاہی نے کہا: ''موٹر سائیکل کی نمبر پلیٹ کہاں ہے؟''

دوسرا لڑکا: ''ابھی رجسٹریشن ہی نہیں ہوئی، نمبر پلیٹ کہاں سے ملے گی؟''

سپاہی نے کہا: ''لائسنس دکھاؤ۔''

پہلے لڑکے نے جواب دیا: ''ابھی تو عمر ہی کم ہے، لائسنس کیسے بنے گا؟''

سپاہی بولا: ''تم اتنی تیزی سے کیوں

جا رہے تھے؟''

دوسرا لڑکا بولا: ''دراصل ہم جلدی میں ہیں۔''

سپاہی: ''پولیس اسٹیشن چلو۔''

پہلا لڑکا: (حیرانی سے) ''آخر ہمارا جرم کیا ہے؟ آپ کس لیے ہمیں پولیس اسٹیشن لے جانا چاہتے ہیں؟''

دل چسپ معلومات

مرسلہ: ماہا اسبر، کراچی

☆ سانپ مور کی مرغوب غذا ہے۔

☆ چمگادڑ کی اوسط عمر ۲۰ سال ہے۔

☆ کیوی کا نام کیوی اس لیے رکھا گیا کہ یہ رات کے وقت کیوی کیوی کی آواز نکالتا ہے۔

☆ دنیا کا پہلا اسپتال بغداد میں قائم ہوا اور اس کا نام بیمارستان رکھا گیا۔

☆ برازیل میں مکھی کی ایک قسم پائی جاتی ہے جو کھٹا شہد بناتی ہے۔

☆ لال بیگ زمین پر پایا جانے والا قدیم ترین کیڑا ہے۔

بچے کا قومی احساس

مرسلہ: آمنہ نظامانی، ٹنڈو قیصر، حیدر آباد

۱۹۴۰ء میں قائد اعظم دہلی سے لاہور تشریف لے جا رہے تھے۔ غازی آباد کے اسٹیشن پر انھیں دیکھنے والوں کا ایک ہجوم تھا۔ ان میں ایک دس سال کا بچہ شامل تھا۔ اس کے ہاتھوں میں بھی پھولوں کا ہار تھا۔ قائد اعظم مسکراتے ہوئے گاڑی سے اترے۔ بچہ یہ ہار پہنانا چاہتا تھا۔ قائد اعظم جھکے، ہار پہن لیا تو بچے سے پوچھا: ''تم کیوں آئے ہو؟'' جواب ملا: ''آپ کو دیکھنے کے لیے۔'' پھر سوال کیا: ''مجھے دیکھنے کیوں آئے ہو؟''

بچے نے جواب دیا: ''قوم کے لیے۔''

قائد اعظم کی زبان سے بے ساختہ ''شاباش'' نکلا اور چہرہ فرطِ مسرت سے کھل اٹھا۔ بچے کی پیٹھ ٹھونکی اور فرمایا: ''مسلمانوں کے بچوں میں اب قوم کا احساس پیدا ہو گیا ہے۔''

سائنس اور مسلمان

مرسلہ: مبشر علی ساگر، ننکانہ صاحب

☆ مسلمانوں کا سائنسی دور ساتویں صدی عیسوی سے تیرھویں صدی عیسوی تک پھیلا ہوا ہے۔

☆ سائنس میں تجرباتی اصولوں کی بنیاد عربوں نے رکھی۔

☆ عربی ہندسوں میں صفر کا اضافہ موسیٰ خوارزمی نے کیا تھا۔

☆ ابوریحان البیرونی نے ثابت کر دیا تھا کہ روشنی کی رفتار آواز کی رفتار سے زیادہ ہے۔

☆ ۱۵۴۸ء میں ایران کے صوبے خراسان کے صدر مقام نیشاپور میں عظیم ریاضی داں، ہئیت داں اور شاعر عمر خیام پیدا ہوئے تھے۔

☆ بارود عربوں کی ایجاد ہے۔ اس کے موجد میر فتح اللہ ہیں۔

☆ وارنش بنانے کا طریقہ جابر بن حیان نے ایجاد کیا۔

☆ ابن خلدون مصر کی مشہور یونی ورسٹی جامعہ الازہر میں تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے۔

☆ نصیر الدین طوسی نے بارہ سال کی دن رات محنت کے بعد ایک تقویم مرتب کی تھی، جو مشرقی ممالک، خاص کر چین میں بہت مقبول ہوئی۔

وطن کی مٹی

مرسلہ: یاسر محمود گلشن، چکوال

بہت پہلے عرصے کی بات ہے۔ کسی ملک پر ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ ایک مرتبہ پڑوسی ملک سے چند خاص مہمان اس کے ملک کی سیر کرنے کو آئے۔ بادشاہ نے ان کی بہت خدمت کی اور اپنے ملک کی سیر کروائی۔ ایک مہینے بعد مہمانوں نے اجازت طلب کی۔ بادشاہ نے ان کو تحائف دے کر رخصت کیا، جن میں زر و جواہر تھے۔ وزرا خاص طور پر ان کو بندرگاہ تک چھوڑنے گئے۔ جب یہ بندرگاہ پہنچے تو وزیروں نے ان سے کہا کہ آپ لوگ اپنے جوتے اتار دیں۔ مہمانوں نے وجہ دریافت کی تو ایک وزیر نے جواب دیا: ”ہم نے آپ لوگوں کو ہیرے اور جواہر دیے ہیں، اگر آپ چاہیں تو ہم اور بھی دے سکتے ہیں،

لیکن ہم آپ کو اپنے وطن کی مٹی کسی بھی قیمت پر نہیں دے سکتے۔ اس لیے ہم آپ کے جوتوں کو صاف کر دیں گے، تاکہ جو مٹی آپ کے جوتوں پر لگی ہے، وہ نکل کر یہیں رہ جائے۔''

استاد کی عزت

مرسلہ: عربا جبار، فیصل آباد

ایک دن مشہور عباسی خلیفہ ہارون الرشید نے دیکھا کہ اس کے بیٹے مامون اور امین اس بات پر جھگڑ رہے تھے کہ استاد کے جوتے کون اٹھائے گا؟ آخر استاد کے کہنے پر وہ ایک ایک جوتا اٹھا لائے۔ خلیفہ نے دربار میں یہ سوال کیا: ''آج سب سے زیادہ عزت کس کی ہے؟''

سب نے کہا: '' خلیفہ کی عزت سب سے زیادہ ہے۔''

ہارون الرشید نے بتایا: ''سب سے زیادہ عزت اس استاد کی ہے، جس کے جوتے اٹھانے میں شہزادے فخر محسوس کرتے ہیں۔''

یاک - انسان کا مددگار

مرسلہ: راحیل احمد اعوان، راولپنڈی

یاک (YAK) عام طور پر شمالی تبت اور وسط ایشیا میں پایا جاتا ہے۔ تقریباً ۱۰۰۰ سال قبل مسیح سے بھی پہلے سے یاک تبت کے لوگوں کا خدمت گار جانور ہے۔ یاک جسامت میں بڑا اور دیکھنے میں بھدا سا ہوتا ہے۔ اس کی شکل بھینسے سے خاصی ملتی ہے۔ اس کے جسم کے بال بہت گھنے اور موٹے ہوتے ہیں۔ اپنے جسم پر انھی گھنے بالوں کی بدولت وہ منفی ۴۰ ڈگری سے کم درجۂ حرارت میں بھی زندہ رہ سکتا ہے۔ ٹھنڈے علاقے کے لوگ یاک سے دودھ اور اُون حاصل کرتے ہیں۔ اس کے گھنے بالوں سے کمبل اور خیمے بنائے جاتے ہیں۔ یاک کے دودھ میں دوسرے جانوروں کی طرح چکنائی نہیں ہوتی۔

دنیا کی تمام چیزیں اللہ کی نعمتیں ہیں۔ اگر ٹھنڈے علاقوں میں یاک نہ ہو تو شاید وہاں رہنے والوں کے لیے زندگی دشوار ہو جائے، کیوں کہ وہاں یاک بار برداری کا واحد ذریعہ ہے۔ ☆

بنامِ قائد

شمیم فاطمہ

میرے پیارے قائد! تجھے ہے سلام
تُو ہے نیک نیت ، تُو ہے نیک نام

وطن سے محبت ، نصیحت تیری
شب و روز محنت تیرا ہے پیام

کرے ذاتِ باری تیری مغفرت
خدا تجھ کو دے آخرت میں مقام

تیرا عزم تھا آہنی ، جس نے قائد! تجھے
امر کر دیا اور بخشا دوام

تدبّر ، تعقل کہ ہو منصفی
تیری خوبیوں میں نہیں کچھ کلام

رہا مضطرب اس چمن کے لیے
وطن کے لیے نیند کرلی حرام

خدا ہم کو توفیق بخشے کہ ہم
زمانے میں اونچا کریں تیرا نام

بیت بازی

رات دن گردش میں ہیں سات آسماں
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ ، گھبرائیں کیا
شاعر : مرزا غالب　　پسند : محمد افراز ابدالی، کراچی

طولِ شبِ فراق سے گھبرا نہ جا جگر
ایسی بھی کوئی شب ہے کہ جس کی سحر نہ ہو
شاعر: جگر مراد آبادی　　پسند: عدیل رضا، نواب شاہ

مبتلائے درد ہو کوئی عضو ، روتی ہے آنکھ
کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ
شاعر : علامہ محمد اقبال　　پسند : محمد نفیس، کراچی

تم دیے ہو جو لرزتے ہو صبا کے ڈر سے
ہم ستارے ہیں جو طوفاں سے گزر جاتے ہیں
شاعر: احمد ندیم قاسمی　　پسند: صفیہ وہاب انصاری، کراچی

زندہ دلانِ شہر کو کیا ہوگیا فراز
آنکھیں بجھی بجھی ہیں تو چہرے مرے مرے
شاعر: احمد فراز　　پسند: مہوش اختر، کراچی

تم کو اپنوں سے بھی شکایت ہے
ہم سے غیروں کا بھی گلہ نہ ہوا
شاعر: ساغر صدیقی　　پسند: محمد رضا علی سرگانہ، ملتان

وقت اچھا بھی آئے گا ناصر
غم نہ کر ، زندگی پڑی ہے ابھی
شاعر: ناصر کاظمی　　پسند: محمد تنویر انگرا، پیلو وینس

ہر کسی کا ایک سا کردار تو ہوتا نہیں
بے وفا ہے وہ تو کیسے بے وفا ہو جاؤں میں
شاعر: عدیم ہاشمی　　پسند: توشیبا الطاف، سانگھڑ

نہ جانے کون سا اب ظلم رہ گیا ہے قمر
دعا وہ مانگتے ہیں میری زندگی کے لیے
شاعر: قمر جلالوی　　پسند: عارفہ شیخ عبدالرزاق، کراچی

جو کچھ بھی گزرنا ہے، مرے دل پہ گزر جائے
اترا ہوا چہرہ میری دھرتی کا سنور جائے
شاعر: حمایت علی شاعر　　پسند: جمشید پرویز، کوئٹہ

تھا گلہ آپ سے ، لیکن ہم نے
رنگ کچھ اپنا ہی اڑتا دیکھا
شاعر: احمد ہمدانی　　پسند: علینہ سلیم، رحیم یار خان

مجھ کو یہ شکایت ہے کہ دنیا نہیں سنتی
دنیا کو یہ شکوہ ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
شاعر: سرور عالم راز سرور　　پسند: ایمنہ ناز، کورنگی

رکھیں گے یاد مجھ کو اہلِ جہاں ہمیشہ
بھر دی ہے روحِ الفت دنیا کی زندگی میں
شاعر: اختر عالم راز اختر　　پسند: رضوان علی، کراچی

سارا زمانہ گھوم کے دیکھا
سب سے پیاری اپنی گلی ہے
شاعر: محمود عالم راز محمود　　پسند: تحریم خان، کراچی

ترکیب

یسریٰ مریم، حمزہ شفیق

ایک گاؤں میں ایک بیوہ رہتی تھی۔ اس کے دو بیٹے تھے۔ بڑا بیٹا اپنے بیوی بچوں سمیت ماں کے ساتھ گاؤں میں ہی رہتا تھا۔ چھوٹا بیٹا اپنی بیوی کے ساتھ شہر میں رہتا تھا۔

ماں کچھ مہینے گاؤں میں بڑے بیٹے کے ساتھ رہتی اور کچھ مہینے شہر میں چھوٹے بیٹے کے ساتھ گزارتی۔

بڑی بہو تیز طرار عورت تھی۔ اسے اپنی ساس کا اپنے گھر میں رہنا برا لگتا تھا۔ چھوٹا بیٹا اکثر ماں سے ملنے گاؤں آ جاتا۔ وہ ماں کا بہت خیال رکھتا اور ماں سے اپنے گھر میں رہنے کو کہتا، مگر ماں کا دل گاؤں میں لگتا تھا، اس لیے وہ انکار کر دیتی۔

بڑی بہو ساس سے پیچھا چھڑانے کے طریقے سوچتی رہتی۔ ایک دن اس نے اپنی ساس سے کہا: ''اماں! میری طبیعت خراب ہے اور مجھے آرام کی ضرورت ہے۔ گھر کے سارے کام آج آپ کیجیے۔''

ساس نے گھر کے سارے کام اکیلے کیے۔ بچوں کو ناشتا کرایا، اسکول بھیجا، پھر ان کے آنے پر انھیں کھانا کھلایا۔ غرض ماں نے گھر کے سارے کام خوش اسلوبی سے نمٹا دیے۔ بہو کو اب آرام کا چسکا پڑ گیا۔ وہ اب آئے دن کوئی نہ کوئی بہانہ گھڑتی اور بیمار بن جاتی۔ یوں بے چاری بوڑھی ساس کو گھر کے سارے کام کرنے پڑتے۔

ایک دن چھوٹا بیٹا گاؤں آیا ہوا تھا۔ اس نے جو یہ سب کچھ دیکھا تو اسے بہت غصہ آیا اور وہ ماں کو اپنے ساتھ شہر لے گیا۔ بڑی بہو نے پھر بیماری کا ڈھونگ رچاتے ہوئے اپنے شوہر سے کہا کہ میری طبیعت خراب ہے۔ شہر جا کر اماں کو لے آؤ، اس نے یہ بھی کہا: ''میرے خواب میں پیر صاحب آئے تھے۔ انھوں نے بتایا ہے کہ میری بیماری صرف اس طرح دور ہو سکتی ہے کہ میری ساس منھ کالا کر کے اور سر منڈوا کر میرے پلنگ کے گرد سات چکر لگائے۔''

شوہر بیوی کا منصوبہ سمجھ چکا تھا۔ اس نے ایک ترکیب سوچی اور اپنی ماں کو لینے کے بجائے اپنی ساس کے گھر چلا گیا اور اپنی ساس سے کہا: ''اماں! آپ کی بیٹی بہت بیمار ہے، اسے پیر صاحب نے کہا ہے کہ تم اپنی بیٹی کے بستر گرد سات چکر لگاؤ تو وہ ٹھیک ہو جائے گی۔''

بیٹی کی بیماری کا سن کر ماں فوراً چلنے کے لیے تیار ہو گئی۔ واپسی میں راستے میں جنگل آ گیا۔ وہاں پہنچ کر داماد نے ساس سے کہا: ''اماں! پیر صاحب نے یہ بھی کہا تھا کہ چکر لگاتے وقت ماں کا منھ کالا اور سر گنجا ہونا چاہیے، تب اس کی بیماری جائے گی۔''

بڑی بی، بیٹی کی محبت میں منھ پر کالک مل کر گنجی ہو گئیں۔ جب دونوں گھر پہنچے تو رات ہو چکی تھی۔ بیوی پلنگ پر لیٹی تھی۔ ماں نے آتے ہی پلنگ کے گرد چکر لگانے شروع کر دیے۔

شوہر چادر اوڑھ کر لیٹ گیا۔ جب ساتواں چکر پورا ہوا تو بیٹی پلنگ سے اٹھ کر بیٹھ گئی اور بولی: ''دیکھا، سمجھ داروں کی سمجھ داری!'' شوہر منھ سے چادر ہٹائے بغیر بولا: ''غور سے دیکھنا، ماں تمھاری ہے یا ہماری۔'' اب جو اس نے غور سے دیکھا تو بولی: ''اماں! یہ آپ ہیں؟''

اماں افسردہ لہجے میں بولیں: ''ہاں بیٹی! یہ میں ہوں۔''

اور پھر وہ دونوں پھوٹ پھوٹ کر ندامت کے آنسو بہانے لگیں۔

مسکراتی لکیریں

غزالہ امام

ننھا (دوست سے): ''میرے پاپا سڑک پار کرتے وقت بہت ڈرتے ہیں۔''

دوست: ''تمھیں کیسے پتا چلا؟''

ننھا: ''جب پاپا سڑک پار کرتے ہیں تو میرا ہاتھ پکڑ لیتے ہیں۔''

لطیفہ: سعد افراہیم، کورنگی، کراچی

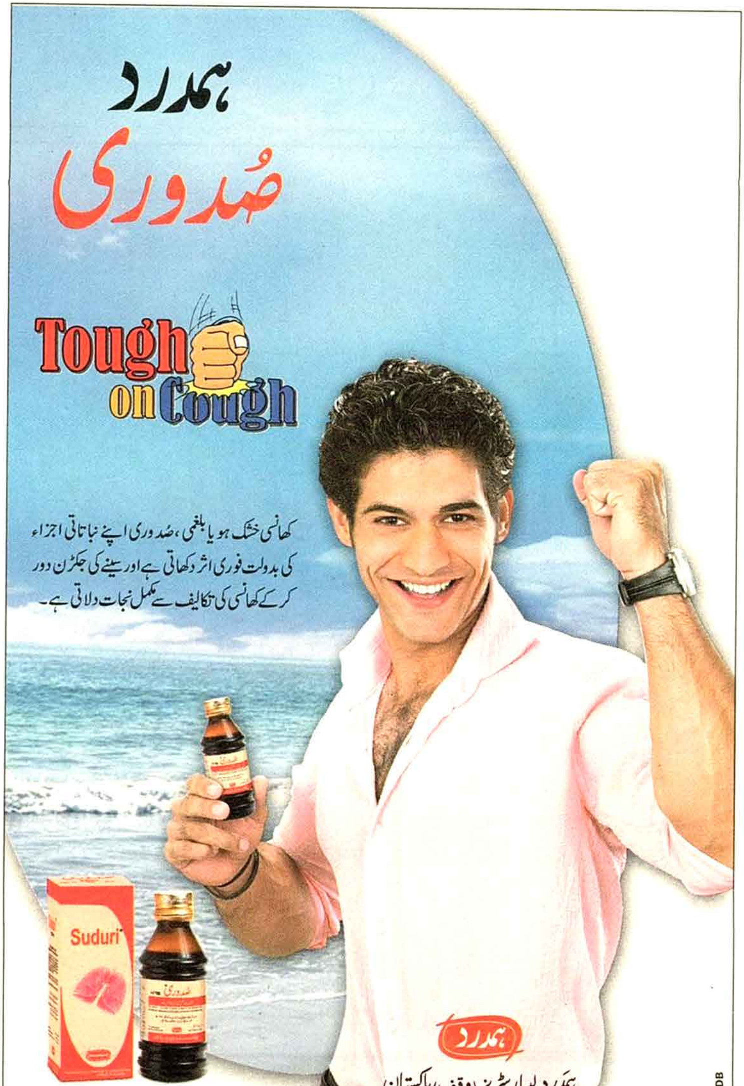

ہمدرد
صُدوری
Tough on Cough
کھانسی خشک ہو یا بلغمی، صُدوری اپنے نباتاتی اجزاء
کی بدولت فوری اثر دکھاتی ہے اور سینے کی جکڑن دور
کر کے کھانسی کی تکالیف سے مکمل نجات دلاتی ہے۔
Suduri
شوگر فری میں بھی
ہمدرد
ہمدرد لیباریٹریز (وقف) پاکستان
Blitz DDB

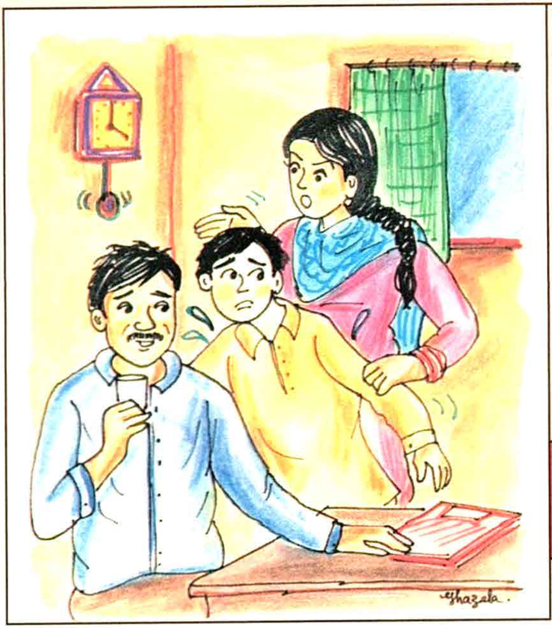

تیسری آنکھ

نذیر احمد یوسفی
(بھارت)

شفیق میاں بہت اداس تھے۔ وہ تھکے تھکے سے چہرے کے ساتھ گھر میں داخل ہوئے۔ بیگم نے اپنی عادت کے مطابق ٹھنڈے پانی کا گلاس دیا اور بیٹے وسیم کی شرارتوں کا قصہ لے کر بیٹھ گئیں۔ آج شفیق میاں کو وسیم کی شرارتوں کی وجہ سے غصہ آ رہا تھا اور نہ اسے ڈانٹنے ڈپٹنے کی خواہش جاگ رہی تھی۔ ان کے دل و دماغ پر ایک سوگواری سی طاری تھی اور پچھتاوے کا دکھ بھی۔

وسیم کی شرارتوں اور بدتمیزیوں کا شکوہ کرنا بیگم صاحبہ کی روزانہ کی عادت سی بن گئی تھی اور شفیق میاں بے دلی سے سن کر سوائے افسوس کرنے اور سرد آہیں بھرنے کے اور کچھ نہیں کرتے

تھے، لیکن آج جیسے ہی وہ وسیم کی شکایتوں کی پٹاری لے کر بیٹھیں، آفت کا مارا وسیم گھر میں داخل ہوا، وہ چلائیں: ''لیجیے! مصیبت خود چل کر سامنے آ گئی۔ اس لڑکے سے پوچھ لیجیے کہ آج اس نے کتنوں کے سر ٹکرائے، کتنوں کی سائیکل خراب کی اور کتنی لڑکیوں کی چوٹیاں نوچیں، میں تو عاجز آ گئی ہوں، دوسرے بچوں کے والدین کی شکایت سنتے سنتے۔ اب تو اللہ ہی اسے ہدایت دے۔''

شفیق میاں کی رونی سی صورت پر ایک تھکی تھکی مسکراہٹ آ گئی۔ انھوں نے افسوس بھرے لہجے میں بیگم کو مخاطب کیا: ''اے اللہ کی بندی! اسے کچھ مت کہو، اس کا قصوروار میں ہوں۔''

''کیا مطلب؟'' بیگم چونکیں۔

شفیق میاں بولے: ''مطلب یہ کہ بچپن میں مجھے بھی اسی طرح شرارتوں کی عادت تھی۔ میں بھی یہی کچھ کیا کرتا تھا جو آج میرا بیٹا وسیم کر رہا ہے۔ میرے والدین بھی اسی طرح میری شرارتوں اور شکایتوں سے عاجز تھے۔ ابّا دن رات سمجھاتے، مگر میں کچھ سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا تھا۔''

بیگم بولیں: ''یہ برسوں پہلے کی بات ہے، اب اس کا یہاں کیا ذکر؟''

''نہیں بیگم! یہ قدرت کا قانون ہے۔ باپ کی عادتیں بیٹے میں منتقل ہوتی ہی ہیں۔ میری تمام خوبیاں اور خرابیاں، سب وسیم میاں میں ملتی ہیں۔ میں تنہائی میں اس پر غور کر چکا ہوں اور بزرگوں کی کہی ہوئی باتوں کو سچ مانتا ہوں اور یقین بھی کرتا ہوں۔ تم نے وہ کہاوت نہیں سنی، ''باپ پر پوت پتا پر گھوڑا، بہت نہیں تو تھوڑا تھوڑا'' میں بھی تو اپنے ماں باپ کا ایک ہی لڑکا تھا۔ بہت پیار کرتے تھے دونوں، مگر میرے مزاج میں چنچل پن اور شوخی تھی۔ میں کسی بھی بات کا سنجیدگی سے نوٹس نہیں لیتا تھا۔ ماں باپ نے بہت سمجھایا، مارنے پیٹنے کی دھمکی دی، کھانا پینا بند کیا، مگر میں تھا کہ کسی کی سنتا اور نہ اپنی شرارتوں سے باز آتا۔ میں انھی شرارتوں کے ساتھ بڑا ہوتا

گیا۔ کبھی کسی کی ٹوپی اتار کر دور پھینک دی، کسی کی کتابوں کا تھیلا غائب کر دیا، کبھی کسی کے ٹفن بکس سے کھانا کھالیا، کبھی سائیکل کی ہوا نکال دی۔ ہمارے محلے میں ایک صاحب نئے نئے کرایے دار آئے تھے۔ کسی بینک میں کام کرتے تھے۔ ایک بیٹی اور ایک بیٹا تھا۔ بیٹی بڑی تھی اور ہائی اسکول میں تھی۔ بیٹا سرفراز میری عمر کا تھا۔ میرے ہی اسکول میں داخلہ لے کر پڑھنے لگا۔ خوش حال گھرانے کا تھا، اس لیے اچھے اچھے چمک دار کپڑے پہنتا تھا اور چھوٹی سی سائیکل چلا کر اسکول آتا جاتا تھا۔ محلّے میں گھر تھا، اس لیے میری شکل وصورت اس کے لیے اجنبی نہیں تھی۔ اسکول میں اور گھر پر بھی بہت کوشش کی کہ میں اس کا دوست بن جاؤں، مگر میں بگڑا نواب، اس کی سائیکل، اس کے کپڑے اور اس کی سنجیدگی و متانت سے جلنے لگا اور اس کی دوستی کو ٹھکرا کر اسے اپنا دشمن سمجھتا رہا۔ اسے ستانے میں مجھے بڑا مزہ ملتا تھا۔ خود تو کم، مگر دوسرے شریر لڑکوں کے ذریعے سے اسے خوب تنگ کرتا، مگر لڑکا طبیعت کے لحاظ سے بہت عمدہ تھا۔ اس نے کبھی اسکول ٹیچر سے

The Pirate
BIRTHDAY
Party!
The JUNGLE
BIRTHDAY
Party!
Super Friends
Birthday Party
KFC
Birthday!
PARTY
More Themes
More Excitement
Get to choose from 3 different and exciting themes*
for your child's funfilled Birthday
*Contact the Restaurant Manager for details
Rs.500 will be charged for a Thematic Birthday Party
KFC
www.kfcpakistan.com
111-532-532

کہا، نہ کبھی مجھ سے جھگڑا کیا اور نہ ماں باپ سے میری شکایت کی۔ وہ پڑھنے میں بھی مجھ سے تیز تھا۔ اسے ہر سبق یاد ہوتا۔ ہوم ورک کر کے لاتا اور کلاس ٹیچر کی شاباشی لیتا۔ مجھے مار پڑتی۔ دن گزرتے گئے، وہ آگے بڑھتا رہا اور میں بہت پیچھے رہ گیا۔

نویں جماعت میں گیا تو سرفراز کے ابا کا کسی دوسرے شہر میں تبادلہ ہو گیا، اس لیے وہ لوگ دوسرے شہر چلے گئے۔ سرفراز سے میری بات چیت تو تھی ہی۔ وہ جدائی سے بہت دکھی تھا۔ مجھے چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا تھا، مگر مجبوری تھی، اس کے ابا کی ملازمت ہی ایسی تھی کہ ہر تین چار سال میں کسی نہ کسی شہر میں تبادلہ ہو ہی جاتا تھا۔

شفیق میاں خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگے تو بیگم نے پوچھا: ''پھر اس لڑکے سرفراز سے آپ کی ملاقات نہیں ہوئی؟''

''ارے بیگم! وہ لڑکا کیا اب بھی لڑکا ہی ہے، وہ تو میری طرح ہو گیا ہے، بلکہ مجھ سے کہیں بہتر۔ بال بچوں والا۔ عمدہ پڑھائی لکھائی نے اسے افسر بنا دیا اور میں پڑھائی سے جی چرانے والا، کھیل کود اور شرارتوں میں مست رہنے والا، دسویں تک ہی پڑھ سکا تھا، اس لیے ایک بینک میں چپراسی ہو گیا۔ وہ تو ماں کی دعاؤں کی برکت ہے جو میرے سر پر چھت ہے۔ پڑھنے سے بہت سے فائدے ہیں۔ جس طرح چاند کے بغیر رات بے کار ہے، اسی طرح بغیر علم کا انسان بھی ناکامیوں کے اندھیرے میں بھٹکتا رہتا ہے۔ کام یابی اسے ملتی ہے جو علم کی دولت اور عقل کا خزانہ رکھتا ہے، کیوں کہ علم انسان کو باشعور بناتا ہے۔ وہ اپنی علمی صلاحیت کے بل پر دنیا میں ہر کام یابی حاصل کرتا ہے، علم اس کا سہارا بنتا ہے۔ علم انسان کی تیسری آنکھ ہے، جس کی لامحدود روشنی میں وہ دولت بھی حاصل کر سکتا ہے اور عزت بھی۔''

شفیق میاں کی بات کاٹ کر وسیم کی اماں بولیں: ''لیکن سرفراز کے بارے میں کہ وہ

افسر بن گیا ہے، کس نے بتایا؟''

شفیق میاں پھر اداس ہو گئے اور بولے: ''بولتا کون، میرے بینک میں وہ آج ہی کہیں اور سے افسر بن کر تبادلے پر آیا ہے۔ آج اس نے یہاں کام شروع کیا ہے۔ میں نے اسے دیکھا ہے، اچھی کمائی، اچھے عہدے نے اس کو تن درست رکھا ہے۔ چہرہ تو پہلے بھی صاف ستھرا تھا، اب اور نکھار آ گیا ہے۔ اس کے سامنے جانے سے کتراتا رہا۔ بری طرح شرمندگی نے مجھے مایوس کیا ہے، بچپن کی شرارتوں اور کھیل کود میں وقت ضائع کرنے کا نتیجہ آج میرے سامنے آ چکا ہے۔ بس یوں جانو، سارا مستقبل تاریک ہو کر رہ گیا ہے، ورنہ اس کی طرح میں بھی پڑھتا لکھتا تو آج کسی بینک میں بڑا افسر ہوتا۔''

کمرے کی دوسری دیوار سے کان لگائے وسیم اپنے باپ کی ساری باتیں سن رہا تھا۔ اسے دکھ ہوا کہ ابا کی طرح وہ بھی خواہ مخواہ ان پڑھ اور شریر لڑکوں کے ساتھ کھیل کود میں اپنا وقت برباد کرتا رہا تھا۔ اپنے ابا کا دکھ محسوس کر کے اس نے اپنی اصلاح کا پکا ارادہ کر لیا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ آج سے وہ دل لگا کر پڑھے گا، سخت محنت سے اپنی کم زوریاں دور کرے گا اور ایک دن افسر بن کر اپنے خاندان کا نام روشن کرے گا۔ ان شاء اللہ! ☆

ہر مہینے ہزاروں تحریریں

ہمدرد نونہال میں شائع ہونے کے لیے ہر مہینے ہزاروں تحریریں (کہانیاں، لطیفے، نظمیں اور اشعار وغیرہ) ہمیں ملتی ہیں۔ ان میں سے جو تحریریں شائع ہونے کے قابل نہیں ہوتیں ان تحریریں کے نام ''اشاعت سے معذرت'' کے صفحے میں شائع کر دیے جاتے ہیں۔ لطیفوں اور چھوٹی تحریروں مثلاً اقتباسات وغیرہ کے نام اس صفحے میں نہیں دیے جاتے۔ نونہالوں سے درخواست ہے کہ وہ ہم سے خط لکھ کر سوال نہ کریں۔ ایسے خطوں کے جواب سے وقت بچا کر ہم اسے رسالے کو زیادہ بہتر بنانے میں خرچ کرنا چاہتے ہیں۔ ☆

نونہال ادیب

لکھنے والے نونہال

ارسلان اللہ خان، حیدر آباد	عبدالرؤف ٹالپر، میر پور خاص
اوغان علی مسرت برکت، دشت تو گلی	اویس مجاہد، کراچی
ارم اعجاز شیرازی، کراچی	محمد سعید شیر خان، کراچی
معصومہ بخاری، لاہور	علی حیدر شاہ، کراچی

اُسامہ طیب، رحیم یار خان

نعت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

مرسلہ: ارسلان اللہ خان، حیدر آباد

ہر زباں پر ہے کمالِ مصطفیٰؐ
کوئی کیا دے گا مثالِ مصطفیٰؐ
ذہن میں رہتی ہے سیرت آپؐ کی
دل میں رہتا ہے خیالِ مصطفیٰؐ
روزِ محشر سب کو حاجت انؐ کی ہے
سب کے لب پر ہے سوالِ مصطفیٰؐ
حُسنِ یوسفؑ سے بھی ہے وہ خوب تر
سب سے اعلا ہے جمالِ مصطفیٰؐ
ارسلانؔ کرتے رہو ربّ سے دعا
ہو عطا تم کو وصالِ مصطفیٰؐ

قتل کا حساب دو

عبدالرؤف ٹالپر، میر پور خاص

وہ بہت غصے میں، مگر پُر وقار چال چلتی ہوئی میری طرف آ رہی تھی۔ ہر لمحے میرے اور اس کے درمیان فاصلہ کم ہو رہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ میں بہت خوف زدہ تھا۔ آخر وہ چلتے چلتے میرے بہت قریب آ گئی اور غصے میں مجھ سے مخاطب ہوئی: ''برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ آخر ہم لوگ کب تک تمھاری ان زیادتیوں کو برداشت کریں۔ تمھاری وجہ سے جو دکھ ہم نے سہے ہیں، ان کی تلافی ممکن نہیں۔ تم کس کس

کے قتل کا حساب دو گے؟ بتاؤ؟''

وہ اور بھی نہ جانے کیا کچھ کہتی رہی، مگر میری زبان تو جیسے گنگ ہو کر رہ گئی تھی۔ پھر میں نے دیکھا کہ غصے سے بھری فوج کی فوج میری طرف آ رہی ہے اور وہ سب پُر زور آواز میں کہہ رہی تھیں: ''ہم سب مل کر تمھیں مار ڈالیں گے، کیوں کہ تم نے ہمارے ساتھیوں کو مار ڈالا ہے۔'' اور پھر اس نے سب کو رکنے کے لیے کہا اور مجھ سے بولی: ''اب بولو! کیا جواب دو گے؟ کیسے ہمارے بچوں کے خون کا حساب دو گے؟''

میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اپنی صفائی میں کیا کہوں ۔آخر میں نے کہا: ''مجھے کچھ نہیں پتا، میں نے کسی کو قتل نہیں کیا۔ مجھے نہیں معلوم، تمھارے بچوں کو کس نے قتل کیا ہے؟''

تب ان میں سے ایک نے کہا: ''تم ہمیں بے دردی سے اپنے پیروں تلے کچل دیتے ہو۔''

''مجھے معاف کر دو۔'' میں نے ہاتھ جوڑ کر کہا: ''ہاں، میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے آپ میں سے بہت سوں کو بے خیالی میں مار ڈالا ہے، مگر اب آپ مجھے معاف کر دیں۔ میں آئندہ نہ صرف ان کا خیال رکھوں گا، بلکہ اور لوگوں سے بھی کہوں گا کہ وہ بھی خیال رکھیں۔ یہ میرا وعدہ ہے آپ سے۔'' میں نے پھر التجا کی اور آخر انھوں نے مجھے معاف کر دیا۔ پھر میں نے بے دھیانی میں بھی ''چیونٹیوں'' کو کبھی نہ کچلنے کا عہد کیا اور اس کے ساتھ ہی میں خواب سے بیدار ہو گیا۔

ہر سُو خوشیاں اور بہار

مرسلہ: اوغان علی مسرت برکت، دشت تو گی

بچے کتنے پیارے ہیں
ماں کی آنکھ کے تارے ہیں
یہی ہماری دولت ہیں
یہی ہماری جنت ہیں
ہر اِک بات میں سچے ہیں
اپنے عزم کے پکے ہیں
مستقبل کے یہ معمار
ہر سُو خوشیاں اور بہار

لکھنا پڑھنا انھیں سکھائیں
ان کو ذمے دار بنائیں
نکلیں دُنیا میں جس دم
لے کے اخوت کا پرچم
ہر سُو خوش رنگ پھول کھلیں
امن و سکون کے دیپ جلیں
کہیں نہ نفرت کی دیوار
ہر سُو محبت ہو اور پیار
روشن روشن ہر اِک شہر
گلی گلی خوشیوں کی لہر

ہم نے کی جاسوسی

اویس مجاہد، کراچی

جاسوسی ناولیں پڑھ پڑھ کر ہمارے سر پر جاسوسی کرنے کا بھوت سوار ہو چکا تھا۔ ہم ہر ایک چیز میں جاسوسی کرنے لگے۔ ایک دن نانا ہمارے لیے پھل لائے تو ہم نے ان کو بھی شک کی نگاہوں سے گھورنا شروع کر دیا، نانا کو نہیں پھلوں کو۔ جب امی کو یہ پتا چلا تو انھوں نے ہماری خوب مزاج پرسی کی۔ سزا کے طور پر جاسوسی ناول پڑھنا بند کروا دیے۔ پھر بھی ہمارے سر پر جاسوسی کرنے کا بھوت سوار رہا اور ہم اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے۔ ایک روز دوپہر کے وقت ہم گلی میں کرکٹ کھیل رہے تھے۔ کھیل کے دوران چھوٹے بھائی فرحان نے چھکا مار دیا اور گیند ہوا میں اڑتی ہوئی ایک گھر کے صحن میں جا گری تو ہماری جاسوسی کی رگ پھڑکنے لگی۔

اس گھر کے نزدیک پہنچ کر ہم نے دروازہ کھٹکھٹایا، لیکن اندر سے کوئی جواب نہیں ملا۔ ہمیں تشویش ہوئی اور ہم نے اپنے کان دروازے سے لگا دیے۔ اب کچھ آوازیں سنائی دیں۔ یہ آوازیں کچھ عورتوں اور ان کے بچوں کی تھیں۔ اچانک ہی ایک کڑک دار آواز گونجی: ''چپ چاپ بیٹھے رہو، شور مچایا اور پولیس کو بلانے کی کوشش کی تو پھر......!'' اس کے بعد قہقہہ لگانے کی آوازیں سنائی دیں۔ ہمارے اندر کا جاسوس کہہ رہا تھا کہ اس گھر میں ضرور کوئی نہ کوئی واردات ہو رہی ہے۔

اس سے پہلے کہ وہاں تھوڑی دیر اور کھڑے رہتے اور ہمارا دل ہمیں ملامت کرتا، ہم وہاں سے ہٹ گئے۔ ہم نے پہلے پولیس کو

فون کیا، لیکن ان کے غیر ضروری سوالات اور غیر سنجیدہ رویے کو دیکھ کر کچھ اطمینان نہ ہوا۔ پھر ہم خود ہی گھر کے صحن میں کود پڑے۔ اس وقت ہمارے جاسوسی کے سامان میں سوائے دو نقلی پستولوں کے اور کچھ نہیں تھا۔ صحن میں کود کر پتا چلا کہ آوازیں کمرے سے آرہی ہیں۔ کمرے کا دروازہ بند تھا اور دروازے سے داخل ہونے میں بہت خطرہ تھا، اس لیے ہم کھڑکی سے کمرے میں داخل ہو گئے۔ سب کی نگاہیں ایک طرف کو جمی ہوئی تھیں۔ وہ ہماری طرف پیٹھ کیے خاموش بیٹھے تھے، لیکن ان ڈاکوؤں کی آواز کمرے میں گونج رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ ہم ان ڈاکوؤں کا چہرہ دیکھ پاتے، ایک آواز ہماری سماعت سے ٹکرائی: ''خبردار...... اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر دو۔'' اسی کے ساتھ کسی نے نوک دار سی کوئی چیز ہماری پیٹھ میں چبھو دی۔ ہم اچھل پڑے۔ یہ پولیس انسپکٹر تھے، جو بے رحم نگاہوں سے ہمیں گھور رہے تھے۔ باقی سب بھی ہماری طرف متوجہ ہو گئے۔ ہم روئے، گڑگڑائے، انسپکٹر کے پاؤں پڑے، انھیں یقین دلایا کہ ہم ڈاکو نہیں بلکہ ہم تو خود ڈاکوؤں کو پکڑنے آئے ہیں۔

یہ بات سن کر سب خوب ہنسے، لیکن جب پوچھا گیا کہ کن ڈاکوؤں کو پکڑنے آئے ہیں تو ہماری بھی ہنسی چھوٹ گئی، کیوں کہ اتنی دیر سے ہم جو آوازیں سن رہے تھے، وہ ٹی وی سے آرہی تھیں۔ سب لوگ ٹی وی پر فلم دیکھ رہے تھے اور ہم نے جاسوسی کر ڈالی۔ ہمیں اپنی اس حرکت پر بہت شرمندگی ہو رہی تھی۔ بڑی مشکل سے جب ابو کو فون کر کے بلایا گیا تو انسپکٹر سے ہماری جان چھوٹی۔ بس اس دن کے بعد سے ہم جب بھی جاسوسی کے بارے میں سوچتے ہیں، ہمیں اپنے پیچھے کوئی چیز چبھتی ہوئی محسوس ہوتی ہے اور وہ انسپکٹر کی پستول ہوتی ہے۔

پیاری بہنا!

مرسلہ: ارم اعجاز شیرازی، کراچی

میری اچھی پیاری بہنا!
تم بھی پہنو علم کا گہنا

رات اندھیری ناچ رہی ہے
فطرت لیکن جاگ رہی ہے
آسمان پر چمکیں تارے
جیسے چاندی کے فوارے
یہ تارے ہیں اپنے ساتھی
کہتے ہیں کچھ بات نرالی
میری پیاری اچھی بہنا!
بھیا کا تم مانو کہنا

عہد

محمد سعید شیر خان، کراچی

ارقم کرکٹ کھیل کر واپس آ رہا تھا۔ وہ بڑا خوش تھا اور جوش میں دوڑتا ہوا اپنی ٹیم سے آگے آگے اپنا بلا لہراتا ہوا نعرے لگا رہا تھا۔ آج اس نے مخالف ٹیم کا منہ توڑ جواب کئی چھکے لگا کر دیا تھا اور مخالف ٹیم کے چھکے چھڑا دیے تھے۔ ارقم نے اپنی ٹیم کو جتوا کر کامیابی کا سہرا اپنے سر باندھا۔ وہ جوش میں اندھا ہوا جا رہا تھا۔ تعریفی فقروں اور نعروں سے گلی گونج اٹھی تھی۔ باقی دوست بھی اس کے نعروں کا جواب دے رہے تھے۔ کسی نے کہا: ''ایکشن ری پلے۔''

یہ جملہ گویا ارقم کے لیے حوصلہ افزا تھا۔ اس نے چھکا مارنے کے اسٹائل کو دہرانے کے لیے پھرتی سے بلا گھمایا، دوسرے لمحے ایک زوردار چیخ کانوں سے ٹکرائی۔

اب سب نے دیکھا کہ انکل حمید سڑک پر اوندھے منہ پڑے تھے اور ان کے سر سے خون بہ رہا تھا۔ یہ سب کچھ اچانک ہوا تھا اور بلا لہراتے وقت ارقم نے اپنے پیچھے آتے انکل حمید کو نہیں دیکھا اور نتیجہ یہ نکلا کہ وہ خون میں لت پت پڑے تھے اور کراہ رہے تھے۔

انکل حمید علاقے کی معزز شخصیت تھے، انھیں ہر کوئی چاہتا تھا، ہر کوئی ان کی عزت کرتا تھا اور بچے بڑے سب ہی ان سے ادب سے پیش آتے۔ اس وقت وہ نماز مغرب کے لیے تشریف لے جا رہے تھے کہ ارقم کا بلا ان کی کنپٹی پر لگا اور وہ شدید زخمی ہو گئے۔ لوگوں نے فوراً انھیں ٹیکسی میں بٹھایا اور اسپتال لے گئے۔

ارقم گھبراہٹ کے مارے سیدھا گھر کی طرف بھاگا۔ اس کے سارے دوست بھی پہلے ہی فرار ہو چکے تھے۔ ارقم گھر میں داخل ہوتے

ہی سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا اور چھپ کر رونے لگا۔ اسے بھی اس حادثے کا افسوس تھا۔

آخر اس نے انکل حمید سے معافی مانگنے کا فیصلہ کیا۔ اگلے دن نماز عصر سے پہلے انکل حمید کو آتے دیکھا۔ ان کے سر پر اب بھی پٹی بندھی تھی اور وہ آہستہ آہستہ دیکھ بھال کر مسجد کی طرف آرہے تھے۔ ارقم ان کی طرف تیزی سے بڑھا، انکل حمید کے پاؤں پکڑ لیے، معافی مانگی اور رو دیا۔ انکل حمید نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا: ''بیٹا! کھیلنا کودنا اچھی بات ہے، لیکن کھیل کا یہ مقصد نہیں کہ ساری توجہ اور محنت اسی میں صرف کر دی جائے۔ دیکھو بیٹا! انسانی اعضا بہت قیمتی ہیں۔ کسی کی آنکھ ضائع ہو جائے، کسی کا ہاتھ پیر ٹوٹ جائے اور کسی شخص کو تکلیف پہنچے، یہ کوئی اچھی بات نہیں اور ان کھیلوں میں اپنی پڑھائی کا وقت اور نمازوں کا ضائع کر دینا تو اور بھی بری بات ہے۔''

''انکل! میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آیندہ فتح اور خوشی کے وقت بھی اپنے حواس قائم رکھوں گا اور اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچنے دوں گا۔'' ارقم کا سر ندامت سے جھک گیا۔

''اللہ تمھاری صحت اور توانائی کو دین کے لیے قبول کرے۔'' انکل حمید نے مسکراتے ہوئے کہا اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے مسجد کی طرف بڑھ گئے۔

ارقم نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور پھر اس کے قدم بھی مسجد کی طرف اٹھ گئے۔

پانچ ہزار اشرفی یا سو من موتی

معصومہ بخاری، لاہور

نھو ولد کھو ولد بھو ایک گاؤں میں رہتا تھا۔ وہ گاؤں کے چوپال پر روزانہ کہانیاں سناتا اور اپنے بیوی بچوں کا پیٹ بھرتا تھا۔ ایک دن گاؤں میں ایک سوداگر آیا، جسے نھو نے ایک کہانی سنائی۔ وہ کہانی اسے پسند آئی۔ اس نے نھو کو کچھ پیسے دیے اور کہا کہ ہمارا بادشاہ کہانیوں کا بہت شوقین ہے اور ہر ہفتے کی شام کو اپنے دربار میں کہانیاں سنتا ہے، اگر کہانی جھوٹی ہو تو وہ سنانے والے کو پانچ ہزار اشرفیاں دیتا ہے، اگر کہانی سچی ہو تو اسے جان سے مار دیتا ہے۔ یہ سن کر نھو نے سوچا کہ ہو سکتا ہے کہ میں مارا جاؤں، لیکن اس

کا بھی امکان ہے کہ اگر میں ایسی کہانی سنادوں جو بادشاہ کو جھوٹی لگے تو ممکن ہے، مجھے پانچ ہزار اشرفیاں مل جائیں۔ یہ سوچ کر وہ شہر روانہ ہوگیا۔ پھر ہفتے کا دن آ پہنچا۔

بادشاہ تمام لوگوں کی کہانیاں سنتا اور کہتا کہ یہ سچی کہانی ہے اور سنانے والے کو جان سے مار دیتا۔ جب نھو کی باری آئی تو اس نے کہانی شروع کی: ''کافی برس پہلے کی بات ہے۔ میرے دادا بھو کے پاس دو مرغ تھے۔ وہ دونوں بھینسے جتنے طاقت ور تھے۔ میرا دادا بھو روزانہ دو لکڑیوں کے گٹھے ان پر لادتا اور بیچتا۔ ایک دن ایک مرغا مر گیا۔ دادا بھو نے دو گٹھے ایک مرغ پر لاد دیے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس کی ٹانگ پر زخم ہوگیا۔ دادا نے میدان سے کچھ مٹی اُٹھائی اور اس کے زخم پر مل دی۔ اس مٹی میں ایک امرود کا بیج تھا۔ ایک دن بہت تیز بارش ہوئی، جس سے مرغ کی ٹانگ پر چھوٹا سا پودا اُگ آیا۔ جب میرے دادا کو پتا چلا تو انھوں نے اسے پانی دینا شروع کر دیا۔ جب اس کی دیکھ بھال کی گئی تو وہ ایک درخت بن گیا۔ اب لوگوں نے اس کے نیچے آرام کرنا شروع کر دیا۔ وہ مرغا جہاں جاتا، درخت اس کے ساتھ جاتا۔ ایک دن ان کے علاقے میں ایک عقاب آیا، جو اپنے ساتھ ایک موتی لایا تھا۔ موتی درخت میں چلا گیا۔ اتفاق سے وہ بھی اُگ آیا اور موتی اُگنا شروع ہو گئے۔ یہ دیکھ کر میرے باپ کھو نے اس میں گندم بھی بو دی۔ چند برسوں کے بعد اس درخت سے سو من امرود، سو من گندم اور سو من موتی نکلے۔ اس کے ٹھیک دو ماہ بعد دشمن نے ہمارے ملک پر حملہ کر دیا۔ ہماری فوج کچھ دیر تو لڑی، لیکن آپ کے دادا کا خزانہ ختم ہونے کی وجہ سے فوج نے ہمت ہار دی۔ یہ دیکھ کر میرے دادا نے وہ سو من موتی آپ کے دادا کو دے دیے۔ انھیں تقسیم کرنے سے فوج کے حوصلے بلند ہوگئے اور انھیں فتح ہوئی۔ جب میرے دادا نے موتی مانگے تو آپ کے دادا نے دینے سے انکار کر دیا۔ میرے دادا اس غم میں مر گئے اور ابا کھو غریبی سے مارا گیا اور رہ گیا میں، تو مجھے سو من موتی دے دیں۔''

یہ سن کر بادشاہ نے کہا: ''دو دن بعد آنا۔''

جب وہ آیا تو بادشاہ نے کہا: ''ہماری معلومات کے مطابق یہ کہانی جھوٹی ہے۔'' پھر بادشاہ نے خزانچی کو حکم دیا کہ اسے پانچ ہزار اشرفیاں دے دو۔

میں نے کہانی لکھی

علی حیدر شاہ، کراچی

چھٹیوں کے دن تھے۔ میں ہمدرد نونہال کا تازہ شمارہ پڑھنے بیٹھا ہی تھا کہ فہد میرے کمرے میں داخل ہوا اور اس نے ایسی خبر سنائی، جس کو سنتے ہی میں ہکا بکا رہ گیا۔ وہ خبر یہ تھی کہ ہمارے پڑوسی فیصل کی کہانی ہمدرد نونہال کے تازہ شمارے میں چھپی ہے۔ فہد نے کہا: ''کیوں نہ ہم بھی ایک کہانی لکھیں۔''

''بھئی، سچ پوچھو تو تم نے میری دل کی بات کہہ دی۔'' میں نے جواباً کہا: ''کل صبح تم میرے گھر پہنچ جانا، پھر ہم بھی مل کر فیصل سے اچھی کہانی لکھیں گے۔'' فہد نے سر ہلا دیا۔

اگلے دن صبح سویرے فہد اپنے وعدے کے مطابق میرے گھر پہنچ گیا۔ آدھا گھنٹہ گزر جانے کے باوجود جب ہمیں کوئی خیال نہ آیا تو فہد مجھ سے بولا: ''میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ فیصل نے کہانی کیسے لکھ لی۔ اب تم خود ہی کچھ کرو، میں تو گھر چلتا ہوں۔'' فہد کے جانے کے بعد بھی میں نے ہمت نہ ہاری اور کہانی کے بارے میں سوچتا رہا۔ یکایک مجھے ایک خیال آیا اور اسی خیال کے تحت میں نے کہانی کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ امی جان سے اصلاح کرانے کے بعد میں سیدھا فہد کے گھر پہنچا اور فہد کو کہانی دکھائی۔ کہانی پڑھتے ہی فہد نے کہا: ''دیر کس بات کی کر رہے ہو؟ فوراً کہانی ارسال کردو۔'' پھر میں نے یہی کیا۔ دو تین مہینے بعد تحریر رسالے کی زینت بن چکی تھی۔ فہد بھی میری خوشیوں میں برابر کا شریک تھا۔ میں نے اس سے کہا: ''اگر میں بھی تمھاری طرح ہمت ہار بیٹھتا تو آج میری کہانی رسالے کی زینت نہ بنتی۔ ہمیں کسی حال میں ہمت نہیں ہارنا چاہیے، کیوں کہ کامیابی کبھی کبھی ہمارے مقدر میں دیر سے لکھی ہوتی ہے۔''

سچ کی فتح

اسامہ طیب، رحیم یار خان

وہ ایک وکیل تھا۔ایک دن اس نے جھوٹ بولنا چھوڑ دیا۔محل نما مکان میں زندگی گزارنے والا عیش و آرام کا عادی، شہر کے سارے وکیلوں سے زیادہ ماہر، بڑا چرب زبان تھا۔ ایسے نکات نکالتا تھا کہ جھوٹے سچے سب مقدمے جیت لیتا تھا۔لوگ اس کے پاس آتے تو بڑی بڑی فیسیں دے کر اس کو اپنا وکیل بناتے تھے، لیکن جب تقدیر نے اسے ایک اللہ والے سے ملایا تو اسے احساس ہو گیا کہ وہ غلطی پر تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ آج کے بعد جھوٹ نہیں بولوں گا اور نہ کوئی جھوٹا مقدمہ لوں گا۔

اس کی بیوی نیک تھی۔ اس نے کہا: ''مجھے بھی جھوٹی اور حرام کی کمائی نہیں چاہیے۔''

اب لوگ اس کے پاس مقدمے لے کر آتے تو وہ کہتا: ''میاں! اگر تم سچے ہو تو مقدمہ مجھے دو، ورنہ نہیں۔ اگر مقدمے کی پیروی کے دوران دوسرے فریق کے دلائل سن کر مجھے محسوس ہوا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو تو میں درمیان ہی میں کام کرنا چھوڑ دوں گا۔''

اس پر لوگ گھبرا جاتے کہ جھوٹ کا پتا چلنے پر ہم مقدمہ ہار جائیں گے۔ رفتہ رفتہ لوگوں نے اس کے پاس آنا چھوڑ دیا۔ وکیل روز دفتر جاتا اور سارا دن وہاں بیٹھ کر واپس آ جاتا، ایک آدمی بھی اس کے دفتر نہ آتا۔ سارا سال گزر گیا، مگر کوئی مقدمہ نہ آیا۔ اس کے پاس جو کچھ پیسے تھے، وہ ختم ہو گئے۔

آخر ایک دن اس کے پاس ایک غریب آدمی کا مقدمہ آ گیا۔ غریب آدمی چوں کہ بے قصور تھا، اس لیے اس نے اپنا کیس اسے دے دیا۔ جج بھی جانتا تھا کہ یہ وکیل جھوٹا مقدمہ نہیں لیتا، لہٰذا اس نے توجہ سے دلائل سنے اور فیصلہ اس کے حق میں دے دیا۔ جلد ہی یہ بات پھیل گئی کہ یہ وکیل جھوٹ نہیں بولتا۔

یہ وکیل سچے مقدموں کی پیروی کرنے لگا۔ اس طرح سے ایک سال گزر گیا۔ جب وہ عدالت میں جاتا تو جج فطری طور پر اس سے

ہمدردی رکھتے اور اس کی دلیلوں سے متاثر ہوکر اس کے حق میں فیصلہ کر دیتے۔ ججوں کے اس اچھے گمان کی وجہ سے ایک سال کے اندر اس کی کایا پلٹ گئی اور ایک وقت آیا کہ وہ جو بھی مقدمہ لے کر عدالت میں جاتا، اس کے حق میں فیصلہ ہوتا۔ لوگوں نے سوچنا شروع کر دیا کہ اگر ہم سچ پر ہیں اور مقدمہ ٹھیک ہے تو پھر کیوں نہ اسی وکیل کی مدد سے مقدمہ داخل کرائیں۔ اب اللہ نے اس کو اتنا کام دیا کہ آمدنی پہلے کی نسبت کئی گنا ہوگئی۔ اللہ کی شان دیکھیے کہ سچ اختیار کرنے پر اللہ نے اس کو عزت بھی دی، رزق بھی دیا۔ اب اس کی زندگی پہلے سے زیادہ آرام سے گزرنے لگی۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اسے جج بنا دیا گیا۔ جلد ہی اسے مزید ترقی دے کر عدالت کا سب سے بڑا جج بنا دیا گیا۔ پتا چلا کہ سچ بولنے سے دنیا میں بھی عزت ملتی ہے اور اللہ رب العزت کے یہاں بھی۔ ☆

آپ کی تحریر کیوں نہیں چھپتی؟

اس لیے کہ تحریر: ◆ دل چسپ نہیں تھی۔ ◆ بامقصد نہیں تھی۔ ◆ طویل تھی۔ ◆ صحیح الفاظ میں نہیں تھی۔ ◆ صاف صاف نہیں لکھی تھی۔ ◆ پنسل سے لکھی تھی۔ ◆ ایک سطر چھوڑ کر نہیں لکھی تھی۔ صفحے کے دونوں طرف لکھی تھی۔ ◆ نام اور پتا صاف نہیں لکھا تھا۔ ◆ اصل کے بجائے فوٹو کاپی بھیجی تھی۔ ◆ نونہالوں کے لیے مناسب نہیں تھی۔ ◆ پہلے کہیں چھپ چکی تھی۔ ◆ معلوماتی تحریروں کے بارے میں یہ نہیں لکھا تھا کہ معلومات کہاں سے لی ہیں۔ ◆ نصابی کتاب سے بھیجی تھی۔ ◆ چھوٹی چھوٹی کئی چیزیں مثلاً شعر، لطیفہ، اقوال وغیرہ ایک ہی صفحہ پر لکھے تھے۔

☆☆☆

ہنسی گھر

ایک صاحب نے ڈاکٹر سے پوچھا: ''پلاسٹک سرجری کتنے کی ہوگی؟''

ڈاکٹر: ''پانچ لاکھ کی۔''

وہ صاحب: ''اگر پلاسٹک ہم خود دے دیں تو؟''

مرسلہ: حمزہ شفیع، کراچی

ایک لڑکی کی نظر بہت کم زور تھی۔ ایک دن اس نے اپنی سہیلیوں کو حیران کرنے کی ترکیب سوچی۔ اس نے ایک درخت کے تنے میں ایک سوئی چبھودی، جب اس کی ساری سہیلیاں اکٹھا ہوئیں تو اس نے دور ہی سے کہا: ''ارے! وہ سامنے درخت کے تنے میں سوئی کہاں سے آئی؟'' یہ کہہ کر وہ بڑی تیزی سے درخت کے تنے سے سوئی نکالنے کے لیے دوڑی، مگر بیچ میں ایک بھینس سے ٹکرا کر گر پڑی۔

مرسلہ: فریحہ سجاد، کراچی

پہلا آدمی: ''بھئی! آج طبیعت ٹھیک نہیں، ہر چیز دو نظر آ رہی ہیں۔''

دوسرا آدمی ایک ہزار کا نوٹ دیتے ہوئے بولا: ''یہ لو دو ہزار رپے، جو میں نے تم سے اُدھار لیے تھے۔''

مرسلہ: محمد خرم خالد، کراچی

ایک آدمی کی آواز بڑی بھاری تھی، مگر وہ اپنے آپ کو بہت بڑا گلوکار سمجھتا تھا۔ ایک دن ترنگ میں آ کر اس نے گانا شروع کر دیا تو ایک کمہار دوڑتا ہوا آیا اور بولا: ''میرا گدھا کہاں ہے؟''

''کون سا گدھا؟''

''یہی جو ابھی ابھی یہاں رینک رہا تھا۔ میں نے ابھی ابھی اس کی آواز سنی تھی۔''

مرسلہ: ملک شعبان، کراچی

ایک دوست: ''تم نے گانے کی مشق کیوں چھوڑ دی؟''

دوسرا دوست: ''اپنے گلے کی وجہ سے۔''

پہلا دوست: ''تمھارے گلے کو کیا ہوا؟''

دوسرا دوست: ''کچھ نہیں، بس پڑوسیوں نے گلا دبانے کی دھمکی دی ہے۔''

مرسلہ: نیتاں محمد حنیف، کراچی

ایک صاحب کہیں تعزیت کے لیے گئے۔ وہاں انھوں نے مرحوم کے بیٹے سے دریافت کیا: ''مرحوم کو کیا بیماری تھی؟''

''صاحب! بیماری کیا تھی۔ بڑھاپا خود ایک بیماری ہے۔'' بیٹے نے غمگین لہجے میں جواب دیا۔

''ہاں بیٹا! یہ بڑی خطرناک بیماری ہے۔ کل ہمارے محلے میں دو بچے اس بیماری کی وجہ سے مر گئے۔'' تعزیت کے لیے آنے والے شخص نے رنجیدہ ہو کر کہا۔

مرسلہ: انجم زہرہ، سکھر

ایک اخبار کے مالک نے ایڈیٹر کی نوکری کے لیے آئے ہوئے امیدوار سے کہا: ''یوں تو آپ پڑھے لکھے اور قابل آدمی لگتے ہیں، لیکن مجھے اپنے اخبار کے لیے ایک بے حد ذمے دار ایڈیٹر کی ضرورت ہے۔ کیا آپ کام یابی سے اخبار چلا سکیں گے؟''

''بالکل جناب!'' امیدوار نے کہا: ''یہاں آنے سے پہلے میں اپنے مالک کی تیرہ لاکھ کی کار چلاتا تھا تو کیا آپ کا تین روپے کا اخبار نہیں چلا سکوں گا۔''

مرسلہ: نمرہ بنت سید رفیق علی ہاشمی، ٹنڈو الہیار

ڈاکٹر نے مریض کا معائنہ کیا اور نسخہ لکھتے ہوئے کہا: ''تمھاری حالت تو پہلے سے زیادہ بگڑ گئی ہے۔ لگتا ہے، تم نے میری ہدایت پر عمل نہیں کیا۔ میں نے کہا تھا کہ ایک دن میں دس سے زیادہ سگرٹ نہ پینا۔''

مریض نے آہ بھر کر کہا: ''میں تو دس سگرٹ بھی بڑی مشکل سے پیتا ہوں، پہلے تو میں سگرٹ کے قریب تک نہیں جاتا تھا۔''

مرسلہ: بریرہ خالد، لاہور

ایک محترمہ نے اپنی سہیلی کو بتایا: ''میں نے اپنے شوہر کی دانتوں سے ناخن کاٹنے کی عادت چھڑا دی ہے۔''

سہیلی نے پوچھا: ''وہ کیسے؟''

محترمہ نے جواب دیا: ''میں نے ان کے دانت چھپا کر رکھ دیے ہیں۔''

مرسلہ: سعد افراہیم، کراچی

ایک بے وقوف بس میں سوار تھا۔ اس نے پاس بیٹھے ہوئے آدمی سے دس بارہ مرتبہ پوچھا: ''یہ بس کہاں جا رہی ہے؟''

آدمی نے تنگ آ کر کہا: ''جہنم میں۔''

اس پر بے وقوف زور زور سے چلانے لگا: ''روکو، روکو، میں جہنم میں نہیں جاؤں گا۔''

مرسلہ: ملک عمر علی، ملتان

○ استاد نے شاگرد سے سوال کیا: ''بتاؤ، ایک آدمی ایک کتاب تین روپے میں خریدتا ہے اور اس کو دو روپے آٹھ آنے میں بیچ دیتا ہے تو اس کو نفع ہوا یا نقصان؟''

لڑکے نے فوراً کہا: ''اس آدمی کو روپوں میں نقصان اور آنوں میں فائدہ ہوا۔''

مرسلہ: تبسم محمد لطیف، حیدر آباد

○ پارک میں ایک بڑے میاں زمین پر کچھ تلاش کر رہے تھے۔ اتنے میں ایک لڑکا آیا اور بولا: ''انکل! آپ کیا ڈھونڈ رہے ہیں؟''

بڑے میاں بولے: ''میری چاکلیٹ یہاں کہیں گر گئی ہے، وہ تلاش کر رہا ہوں۔''

لڑکے نے اپنی جیب سے ایک چاکلیٹ کا پیکٹ ازراہ ہمدردی ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا: ''چھوڑیں، یہ نئی چاکلیٹ کھائیں۔''

بڑے میاں بولے: ''برخوردار! دراصل اس چاکلیٹ کے ساتھ میری بتیسی بھی چپکی ہوئی ہے۔''

مرسلہ: زلیخا بانو کھتری اٹارسی والے، نیو کراچی

○ ایک طالب علم نے اپنے ساتھی سے کہا: ''بھئی، پیپرز کب ہو رہے ہیں؟''

دوست نے جواب دیا: ''یکم جولائی سے۔''

''کوئی تیاری بھی کی ہے؟''

''ہاں، ایک نیا قلم خریدا ہے، نئے کپڑے سلوائے ہیں، نیا جوتا اور نئی گھڑی خریدی ہے۔''

مرسلہ: سمیرا کرن، ٹنڈو جام

○ ایک چور تار کی مدد سے ایک گھر کا تالا کھول رہا تھا۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد تالا کھل گیا۔ عین اسی وقت مالک مکان بھی آ گیا۔ اسے دیکھ کر چور گھبرا گیا، بھاگنا ہی چاہتا تھا کہ مالک مکان نے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی اور کہا: ''گھبراؤ نہیں، میں تمھارا بہت شکر گزار ہوں، کیوں کہ اس تالے کی چابی مجھ سے کھو گئی ہے۔''

مرسلہ: واجد نگینوی، کراچی

○ ایک دوست نے دوسرے سے کہا: ''کوئی ایسا کاروبار بتاؤ جس میں زیادہ منافع ہو؟''

دوسرے دوست نے جواب دیا: ''ایسا کرو، سردی میں سستی برف لے کر گرمیوں میں بیچا کرو۔''

مرسلہ: حافظ حمید الدین، کراچی

میں تمھارا ناخن ہوں

شہید حکیم محمد سعید

نونہالو! تمھارے بال اور ناخن دونوں تمھاری جلد کے بے جان حصے ہیں، لیکن ضروری - انھیں کاٹا جائے تو درد محسوس نہیں ہوتا۔ جس مادّے سے ناخن بنتے ہیں، اس کو کیراٹین کہتے ہیں۔ یہ ایک قسم کی سخت پروٹین ہوتی ہے۔ ناخن کے نیچے اس کی جڑ ہوتی ہے، جس سے یہ بڑھتے ہیں۔ ان کے بڑھنے کی رفتار بالوں کی رفتار سے کم ہوتی ہے۔ انگلیوں کے ناخن سال بھر میں ڈیڑھ انچ بڑھتے ہیں، لیکن پاؤں کے ناخن اس سے بھی نصف رفتار سے بڑھتے ہیں۔

بالوں کے بڑھنے اور ناخنوں کے بڑھنے میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ ہر چند سال کے بعد بالوں کی بڑھوتری رک جاتی ہے، مگر ناخن مسلسل بڑھتے رہتے ہیں۔ بیس اور چالیس برس کی عمر کے درمیان ان کی بڑھوتری بہت تیز ہوتی ہے، بچپن اور بڑھاپے میں ذرا سست ہوتی ہے۔ گرم موسم میں زیادہ بڑھتے ہیں۔ بدن کو غذا کم ملے تب بھی ان کی بڑھوتری کم ہوتی ہے۔

جو نونہال سجّے ہوتے ہیں، یعنی ان کا سیدھا ہاتھ زیادہ چلتا ہے اور وہ سیدھے ہاتھ سے لکھتے ہیں، ان کے سیدھے انگوٹھے کا ناخن تیزی سے بڑھتا ہے۔ جو نونہال کھبے ہوتے ہیں، یعنی ان کا اُلٹا ہاتھ زیادہ چلتا ہے اور وہ اُلٹے ہاتھ سے لکھتے ہیں، ان کے اُلٹے انگوٹھے کا ناخن جلد بڑھتا ہے۔ شاید یہ فرق اس لیے ہو کہ یہ حصہ کام زیادہ کرتا ہے۔

نونہالو! میں بڑے کام کی چیز ہوں۔ ایک تو ہم انگلی کے سرے کو براہ راست چوٹ سے بچاتے ہیں۔ دوسرے باریک کام تم ہماری مدد سے کرتے ہیں۔ مثلاً جوتے کے تسمے کی گرہ کھولنا۔ خواتین کے لیے تو ہم زینت بھی ہیں۔ چند ہزار برس پہلے مصر کی ملکہ نفرتیتی اپنے ناخنوں پر سرخ پالش لگاتی تھی، بلکہ اس نے یہ حکم دے رکھا تھا کہ ناخنوں کی سرخ پالش صرف شاہی خاندان اور امیر لوگ استعمال کر سکتے ہیں۔

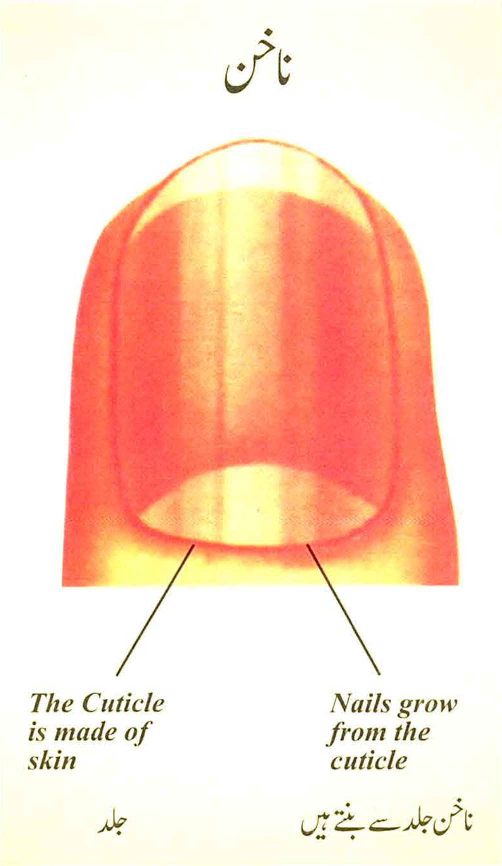

ناخنوں کے بھر بھرے پن، یعنی جلد ٹوٹنے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں مسام زیادہ ہوتے ہیں۔ ان میں پانی بھر جاتا ہے۔ پھر وہ بخارات بن کر اُڑ جاتا ہے۔ دن میں کئی مرتبہ پانی میں بھیگنے اور سوکھنے کا عمل جو مہینوں اور برسوں تک جاری رہتا ہے، ان کو بھر بھرا بنا دیتا ہے۔ عورتیں چوں کہ نیل پالش لگاتی ہیں، جن میں کوئی نہ کوئی کیمیکل ہوتا ہے، اس لیے نیل پالش بھی انھیں خراب کرسکتی ہے۔ اگر کسی نیل پالش میں فارمل ڈی ہائڈ ہوتو اس سے ناخن کے قریب کی جلد بھی خراب ہو جاتی ہے۔

بعض معالج ناخنوں کی شکل اور رنگ سے اپنی تشخیص میں مدد لیتے ہیں۔ مثلاً ناخنوں پر لمبی لمبی نالیاں یہ بتاتی ہیں کہ مریض کو اس سے پہلے کوئی سنگین بیماری ہوئی تھی۔ بدشکل اور پیچھے کو مڑے ہوئے ناخن جسم میں فولاد کی کمی کو ظاہر کرتے ہیں۔ غیر شفاف بہت زیادہ سفید رنگ جگر کی

خرابی کو ظاہر کرتا ہے، مگر یہ علامتیں صرف وہ ماہر سمجھ سکتا ہے جسے سال ہا سال کا تجربہ ہو، ورنہ ایسی باتیں وہم کو جنم دیتی ہیں۔

ناخن جب بڑھے ہوئے ہوں تو ان کے نیچے میل جمع ہو جاتا ہے۔ میل میں جراثیم جمع ہو جاتے ہیں، اس لیے ناخنوں کا تراشنا ضروری ہے۔ اب چوں کہ نیل کٹر عام ملتے ہیں، اس لیے بلیڈ یا قینچی استعمال نہیں کرنی چاہیے۔

خواتین کو چاہیے کہ ناخن بہت لمبے نہ رکھیں۔ وہ نیل پالش لیں جس میں نقصان پہنچانے والے کیمیکل نہ ہوں۔ ناخنوں کے نچلے حصے سے میل برابر صاف کرتے رہنا چاہیے۔

ناخنون کو منھ کے اندر نہیں لے جانا چاہیے۔ صحت بڑی نازک چیز ہے اور اس پر سیکڑوں چیزیں اثر انداز ہوتی ہیں، اس لیے ہر احتیاط پر عمل کرنا چاہیے۔ ★

گھر کے ہر فرد کے لیے مفید

ماہنامہ **ہمدرد صحت**

صحت کے طریقے اور جینے کے قرینے سکھانے والا رسالہ

❁ صحت کے آسان اور سادہ اصول ❁ نفسیاتی اور ذہنی الجھنیں

❁ خواتین کے صحی مسائل ❁ بڑھاپے کے امراض ❁ بچوں کی تکالیف

❁ جڑی بوٹیوں سے آسان فطری علاج ❁ غذا اور غذائیت کے بارے میں تازہ معلومات

ہمدرد صحت آپ کی صحت و مسرت کے لیے ہر مہینے قدیم اور جدید

تحقیقات کی روشنی میں مفید اور دل چسپ مضامین پیش کرتا ہے

رنگین ٹائٹل --- خوب صورت گٹ اپ --- قیمت: صرف ۳۵ رپے

اچھے بک اسٹالز پر دستیاب ہے

ہمدرد صحت، ہمدرد سینٹر، ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد، کراچی

راکھ سے بنی، آگ سے محفوظ عمارتیں

کیا آپ سوچ سکتے ہیں کہ راکھ کو سیمنٹ کے طور پر بھی استعمال کیا جا سکتا ہے؟ آسٹریلیا کی کرٹن یونی ورسٹی آف ٹیکنالوجی کے ولیم ریکرڈ نے کوئلے سے چلنے والے بجلی گھروں سے حاصل شدہ راکھ کو سیمنٹ کے طور پر استعمال کرنے کا خیال ظاہر کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس راکھ سے بنی دیواریں آگ سے محفوظ (فائر پروف) ہوں گی۔ ولیم ریکرڈ یونی ورسٹی کے سینٹر فار میٹیریلز ریسرچ میں پی ایچ ڈی کے طالب علم ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ مادہ ایسے علاقوں میں آگ لگنے سے محفوظ عمارتیں بنانے میں استعمال ہو سکتا ہے، جہاں اکثر آگ لگنے کا خدشہ رہتا ہے۔ اس سیمنٹ کی تیاری میں کاربن کا اخراج بھی نہایت کم ہوگا۔

دنیا بھر میں کاربن ڈائی آکسائیڈ کا ۵ سے ۸ فی صد اخراج صرف سیمنٹ تیار کرنے والی فیکٹریوں سے ہوتا ہے۔ جب کہ کوئلا جلانے والے بجلی گھروں سے فضلے کے طور پر خارج ہونے والی باریک راکھ (FLYASH) سے جیو پولیمر سیمنٹ کی تیاری پر روایتی سیمنٹ کے مقابلے میں کاربن ڈائی آکسائیڈ کا اخراج ۸ فی صد کم ہوگا۔ یہ سیمنٹ آگ لگنے کی صورت میں اپنی مضبوطی اور پائیداری برقرار رکھتا ہے جب کہ روایتی سیمنٹ ایسی صورت حال میں ناکارہ ثابت ہوتا ہے۔

اگرچہ ابھی اس جیو پولیمر سیمنٹ کی تیاری کا عمل تجرباتی مراحل میں ہے، لیکن امید ہے کہ اگلے چند ہی سال میں اس کی تیاری صنعتی پیمانے پر شروع ہو جائے گی۔ ★

کھانسی، نزلہ، زکام
کسی موسم یا کسی وقت کے پابند نہیں

ہمدرد کی مجرّب دوائیں ان کا علاج بھی ہیں اور ان سے محفوظ رہنے کی مؤثر تدبیر بھی

سُعالین

مُفید جڑی بوٹیوں سے تیار کردہ سُعالین، گلے کی خراش اور کھانسی کا آسان اور مؤثر علاج۔ آپ گھر میں ہوں یا گھر سے باہر، سرد وخشک موسم یا گرد وغبار کے سبب گلے میں خراش محسوس ہو تو فوراً سُعالین لیجیے۔ سُعالین کا باقاعدہ استعمال گلے کی خراش اور کھانسی سے محفوظ رکھتا ہے۔

جوشینا

نزلہ، زکام، فلو اور اُن کی وجہ سے ہونے والے بخار کا آزمودہ علاج۔
جوشینا کا روزانہ استعمال موسم کی تبدیلی اور فضائی آلودگی کے مُضر اثرات بھی دُور کرتا ہے۔
جوشینا بند ناک کو فوراً کھول دیتی ہے۔

لعوق سپستاں

نزلے زکام میں سینے پر بلغم جم جانے سے شدید کھانسی کی تکلیف طبیعت نڈھال کر دیتی ہے۔
اس صورت میں صدیوں سے آزمودہ ہمدرد کا لعوق سپستاں، خشک بلغم کے اخراج اور شدید کھانسی سے نجات کا مؤثر ذریعہ ہے۔
ہر موسم میں، ہر عمر کے لیے

صُدوری

مؤثر جڑی بوٹیوں سے تیار کردہ خوش ذائقہ شربت۔ خشک اور بلغمی کھانسی کا بہترین علاج۔ صدوری سانس کی نالیوں سے بلغم خارج کر کے سینے کی جکڑن سے نجات دلاتی ہے اور پھیپھڑوں کی کارکردگی کو بہتر بناتی ہے۔ بچّوں، بڑوں سب کے لیے یکساں مُفید۔

شوگر فری صُدوری بھی دستیاب ہے۔

سُعالین، جوشینا، لعوق سپستاں، صُدوری ۔ ہر گھر کے لیے بے حد ضروری

ہمدرد

مدینۃ الحکمۃ تعلیم، سائنس اور ثقافت کا عالمی منصوبہ۔
آپ ہمدرد دوست ہیں۔ اعتماد کے ساتھ مصنوعاتِ ہمدرد خریدتے ہیں۔ جائز منافع بین الاقوامی شہرِ علم وحکمت کی تعمیر میں لگ رہا ہے۔ اس کی تعمیر میں آپ بھی شریک ہیں۔

ہمدرد کے متعلق مزید معلومات کے لیے ویب سائٹ ملاحظہ کیجیے:
www.hamdard.com.pk

Adarts-SJLS-1/2001

ماں کی دعا

نیما گل

انٹرویو لینے کا تھکا دینے والا مرحلہ ختم ہو چکا تھا اور اب مجھے ان تمام امیدواروں میں سے کسی ایک امیدوار کو اس نوکری کے لیے منتخب کرنا تھا۔ میں فیصلہ کرنے سے پہلے ایک بار پھر تمام امیدواروں کی درخواستیں پڑھ رہا تھا، جب میرا سیکرٹری اجازت طلب کر کے میرے کمرے میں آیا اور بولا: ''سر! باہر اب بھی ایک امیدوار بیٹھا ہے۔''

''اوہ......'' میں چونکا: ''تو کیا وہ انٹرویو دینے سے رہ گیا ہے؟''

''جی نہیں، اس کا کہنا ہے کہ وہ انٹرویو دے چکا ہے، مگر اب آپ سے کوئی ضروری بات کرنا چاہتا ہے۔''

''کیا نام ہے اس کا؟''

''خالد انور۔''

اوہ ......'' میں سوچ میں پڑ گیا۔ میں اس نوکری کے لیے اس کا انتخاب کر ہی چکا تھا، پھر وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتا تھا؟

''ٹھیک ہے، اسے اندر بھیج دو۔''

سیکرٹری سر ہلا کر چلا گیا اور کچھ دیر بعد خالد انور کمرے میں داخل ہوا، میں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور اس کے باہر رکنے کا مقصد دریافت کیا۔ جواب میں جو کچھ اس نے کہا، اس نے مجھے چونکا کر رکھ دیا۔ وہ بولا: ''سر! میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ برائے مہربانی اس نوکری کے لیے میرا انتخاب مت کیجیے گا۔ یہ آپ کا ایک ضرورت مند پر احسان عظیم ہوگا۔''

''کیا ......! یہ کیسا مذاق ہے؟ کیا تم پاگل ہو گئے ہو؟'' بے ساختہ میرے منھ سے نکلا۔

''جی نہیں جناب! میں پورے ہوش و حواس میں آپ سے یہ التجا کر رہا ہوں۔''

''مگر کیوں؟ کیا باہر کسی اور امیدوار نے تمھیں بہکایا ہے؟''

''جی نہیں۔''

''تو کیا ......اب تمھیں اس نوکری کی ضرورت نہیں رہی؟''

''جی نہیں ......'' وہ سر جھکا کر آہستگی سے بولا: ''سچ تو یہ ہے کہ مجھے اس نوکری کی سخت ضرورت ہے۔''

''تو پھر ......تم یہ بے جا مطالبہ آخر کیوں اور کس وجہ سے کر رہے ہو؟''

''دراصل بات یہ ہے جناب! میں ایک بیوہ ماں کی امیدوں کا آخری سہارا ہوں۔ میری ماں دل کی مریضہ ہے اور گھر میں میرے علاوہ کوئی اور ان کی خدمت کرنے والا نہیں ہے۔ جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں۔ اچھا تعلیمی رکارڈ ہونے کے باوجود دو برسوں سے مجھے کوئی نوکری نہیں مل رہی۔ میری ماں کی بڑی آرزو ہے کہ میں بیرونِ ملک جاؤں اور بڑا آدمی بن جاؤں۔ وہ مجھے ہر

اس نوکری کے لیے بھیجتی ہیں، جہاں کمپنی ملازمین کو اکثر و بیشتر باہر کے ممالک میں بھیجتی رہتی ہے، مگر میں اپنی بیمار ماں کو چھوڑ کر باہر نہیں جانا چاہتا۔ آپ کی کمپنی بھی مطلوبہ جگہ پر کام یاب ہونے والے امیدوار کو فوری طور پر ٹریننگ کے سلسلے میں ایک سال کے لیے ملک سے باہر بھیج دے گی، اس لیے سر! میں اتنی دیر سے باہر بیٹھا تھا اور آپ سے یہی کہنا چاہتا تھا کہ برائے کرم مجھے اس انٹرویو میں کام یاب مت کیجیے گا۔''

''اگر یہ بات تھی تو تم یہاں انٹرویو دینے ہی نہیں آتے!''

''میری والدہ جانتی ہیں کہ میں انھیں چھوڑنا نہیں چاہتا، اس لیے انھوں نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ میں کمپنی کے آفس ضرور جاؤں گا اور اچھا انٹرویو دوں گا۔ سر! میں اپنی ماں سے کیا ہوا وعدہ نہیں توڑ سکتا، اس لیے میں نے انٹرویو دیا تھا، مگر آپ ......''

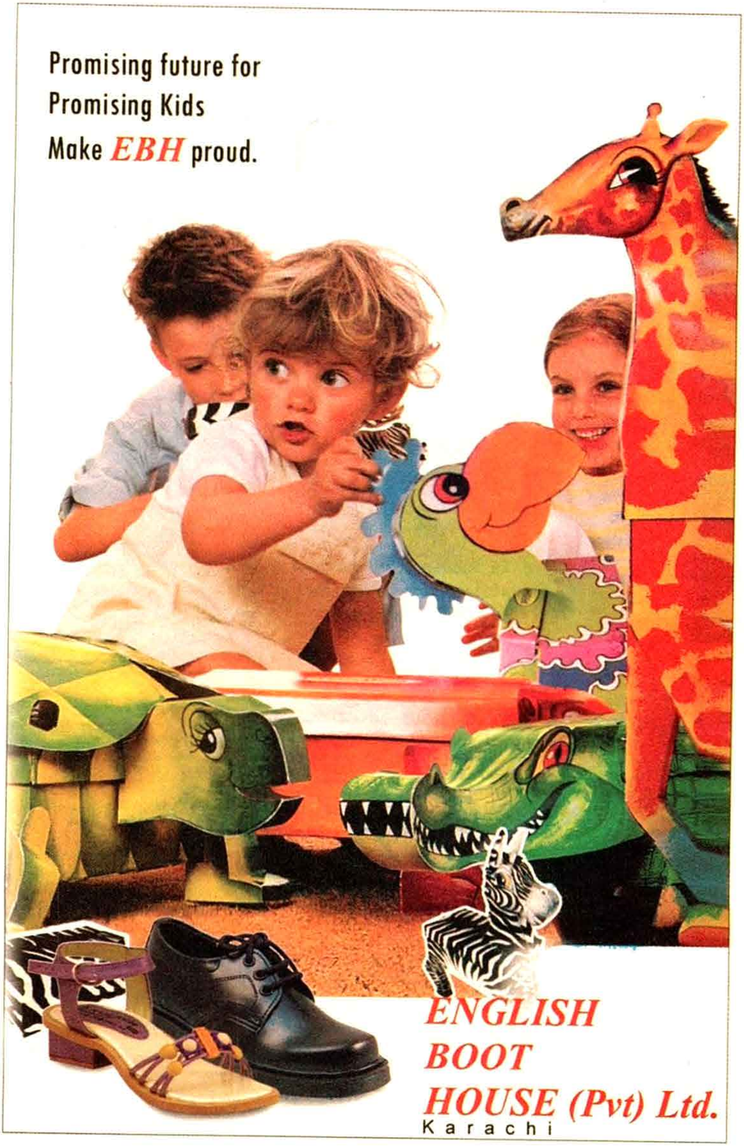
Promising future for
Promising Kids
Make EBH proud.
ENGLISH
BOOT
HOUSE (Pvt) Ltd.
Karachi

''ٹھیک ہے تم جا سکتے ہو۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ اس نے پُر امید نظروں سے مجھے دیکھا اور اٹھ کر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے پھر سے تمام درخواستوں کو غور سے پڑھا اور ایک فیصلے پر پہنچ گیا۔

دوسرے روز میں اپنے آفس میں بیٹھا کام کر رہا تھا، جب مجھے خالد انور کے آنے کی اطلاع دی گئی۔ جب وہ اندر آیا تو اس کے چہرے پر الجھن اور کسی قدر بے بسی کے تاثرات تھے۔ وہ چھوٹتے ہی بولا: ''یہ آپ نے کیا کر دیا سر! میں نے تو آپ سے اتنی التجا کی تھی کہ اس نوکری کے لیے میرا انتخاب مت کیجیے گا، مگر آپ نے اپائنمنٹ لیٹر میرے گھر بھیج دیا۔ میری ماں یہ لیٹر دیکھ کر خوشی سے پاگل ہو گئیں مگر سر! آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں یہ نوکری کسی صورت نہیں کر سکتا۔''

''بھئی، ایمان داری کا تقاضا یہی تھا کہ میں اس ملازمت کے لیے سب سے بہترین امیدوار کا انتخاب کرتا اور اس لیے مجھے تمھارا انتخاب کرنا پڑا۔'' میں سکون سے بولا۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا: ''سر! یہ آپ نے کیا کر دیا! میں اس نوکری کو چھوڑ بھی نہیں سکتا اور اسے کر بھی نہیں سکتا۔ اُف، میں کیا کروں؟''

''اب حالات کا تقاضا یہی ہے کہ تم یہ نوکری کرو۔ اس سے اچھی نوکری تمھیں نہیں ملے گی اور رہ گئی بات ٹریننگ کی، تو تمھیں کچھ عرصے کے لیے ملک سے باہر جانا تو پڑے گا، مگر اپنی والدہ کے ساتھ۔'' میں مسکرا کر بولا تو وہ حیرت اور بے یقینی سے مجھے دیکھنے لگا۔ ''میں نے کمپنی سے بات کی ہے۔ تم اپنے ساتھ اپنی ماں کو بھی لے جا سکتے ہو۔ وہاں ان کے آرام کا پورا خیال رکھا جائے گا۔''

خوشی سے اس کی آنکھیں بھیگ گئیں اور وہ رندھی ہوئی آواز میں بولا: ''سر! آپ کا بہت بہت شکریہ۔''

''شکریہ میرا نہیں اپنی ماں کا ادا کرو، جن کی دعاؤں سے تمھیں یہ مقام ملا ہے۔ اللہ ماں کی دعا کو کبھی رائیگاں نہیں جانے دیتا۔''

☆

ماں باپ کی محبت

عبدالحفیظ ظفؔر

انمول ہے یقیناً ماں باپ کی محبت
وہ خوش نصیب ہے جو پاتا ہے ان کی شفقت

ماں باپ گر ہوں زندہ تو کوئی غم نہیں ہے
ان کا وجود بچو ! جنت سے کم نہیں ہے

کرتا ہے جو ہمیشہ ماں باپ کی اطاعت
ملتی نہیں پھر اُس کو اِس زندگی میں ذلت

کتنی ہی مشکلیں ہوں ، طوفاں ہو یا بلائیں
انساں کو ہیں بچاتی ماں باپ کی دعائیں

رہتا ہے اُس بشر پر پیارے نبیؐ کا سایا
ماں باپ کا کبھی دل جس نے نہیں دُکھایا

اس آدمی سے پوچھو ماں باپ کی حقیقت
جس کو نہیں میسر یہ لاجواب نعمت

روشن ظفؔر ہے ان کی تقدیر کا ستارا
بنتے ہیں جو بھی اپنے ماں باپ کا سہارا

چاے

اشتیاق احمد

''سر! آج شام آپ چاے ہمارے ساتھ پینا پسند کریں گے؟ لوگ کہتے ہیں، آپ کے ہاں کی چاے بہت مزے کی ہوتی ہے۔ ہم نے ایسی چاے کہیں نہیں پی۔''

ابرار خاں نے یہ الفاظ اپنے نئے افسر سے کہے تھے۔ ان کے دفتر کے افسرِ اعلا تبدیل ہو گئے تھے اور دو دن پہلے یہ صاحب آئے تھے۔ ابرار خاں ان سے چند کاغذات پر دستخط کرانے گئے تو ساتھ میں انھوں نے شام کی چاے کی دعوت دے ڈالی۔ نئے آنے والے افسر کا نام فواد احمد تھا۔ انھوں نے نظریں اُٹھا کر ابرار صاحب کی طرف دیکھا، پھر بولے: ''کیا آپ ہر نئے افسر کو اسی طرح شام کی چاے کی دعوت دیتے ہیں؟'' یہ کہتے ہوئے وہ مسکرائے۔

ابرار صاحب نے گڑبڑا کر جواب دیا: ''نن، نہیں سر! ایسی کوئی بات نہیں۔ زندگی میں پہلی بار میں نے اپنے کسی افسر سے یہ بات کہی ہے۔''

فواد صاحب نے مسکرا کر کہا: ''بہت خوب! تب تو میں یہ دعوت قبول کرتا ہوں۔''

ابرار خاں کا چہرہ خوشی سے کھل گیا۔ انھوں نے فوراً کہا: ''میں آپ کو لینے کے لیے شام پانچ بجے آ جاؤں گا۔''

فواد احمد نے کہا: ''لیکن اس کی ضرورت نہیں ہے، آپ صرف پتا بتا دیں، میں خود ہی آ جاؤں گا۔''

''آپ کو مکان تلاش کرنے میں دقت ہوگی۔''

''بالکل نہیں ہوگی، آپ اپنا پتا لکھ کر دے دیں۔''

''سر! میں آ جاؤں گا، آپ کو زحمت ہوگی۔''

''نہیں بھئی، اس کی ضرورت نہیں، آپ صرف پتا لکھ کر دے دیں۔''

''بہت بہتر سر!'' انھوں نے کہا اور پتا لکھ کر دے دیا۔

شام کے ٹھیک پانچ بجے ابرار خاں کے دروازے کی گھنٹی بجی۔ پانچ بجے کا وقت طے تھا اور ان کا خیال تھا کہ فواد صاحب چھے بجے سے پہلے نہیں آئیں گے۔ وہ دوڑ کر دروازے پر آئے۔ باہر واقعی فواد صاحب موجود تھے۔ ابرار خاں کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔

''سر! یہ کیا......؟ گاڑی تو نظر نہیں آ رہی، آپ کیسے آئے ہیں؟''

''بھئی، یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے، رکشے پر آیا ہوں۔ میرے پاس گاڑی نہیں ہے۔''

''سرکاری گاڑی تو ہے سر!''

''وہ سرکاری کاموں کے لیے ہے۔'' فواد صاحب مسکرائے۔

ابرار خاں دھک سے رہ گئے۔ ان کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ انھوں نے بمشکل کہا: ''تشریف لایئے۔''

وہ فواد صاحب کو اپنے شان دار ڈرائنگ روم میں لے آئے۔ ڈرائنگ روم کی دیواروں پر بہت قیمتی فریم لگائے گئے تھے۔ سوفا سیٹ بھی شاہانہ تھا۔ دروازوں پر نفیس قسم کے پردے لٹکے ہوئے تھے۔ ان پر زری کا کام کیا گیا تھا۔ غرض ہر چیز سے امارت کا اظہار ہو رہا تھا۔

''تشریف رکھیے سر! ابھی چاے آتی ہے۔''

وہ بیٹھ گئے۔ ڈرائنگ چوں کہ بہت طویل تھا، لٰہذا اس کے ایک طرف ڈائننگ میز رکھی تھی۔ اس کے گرد کرسیاں بھی خاص قسم کی لکڑی سے تیار کرائی گئی تھیں۔ جلد ہی میز پر چاے کا سامان رکھا جانے لگا۔ جب ابرار خاں فواد صاحب کو میز پر لائے تو انھوں نے دیکھا کہ میز کھانے کی مختلف چیزوں سے پُر تھی۔ سموسے، رس بھری، گلاب جامن، شامی کباب، سیخ کباب، پیزے، ڈرم اسٹیک، غرض دنیا بھر کی چیزیں سجادی گئی تھیں۔ یہ سب دیکھ کر فواد احمد پریشان ہو گئے اور بول اٹھے: ''آپ نے ضرورت سے بہت زیادہ تکلف کر ڈالا۔ میں اکیلا آدمی کیا کیا کھاؤں گا؟''

''کوئی بات نہیں سر! آپ ہر چیز میں سے تھوڑا تھوڑا چکھ لیں۔ میری خوشی پوری

ہو جائے گی۔''

''ہوں۔'' وہ بس اتنا کہہ سکے۔ پھر کھانے کا دور شروع ہوا۔ فواد احمد بہت محتاط انداز میں کھا رہے تھے، بہت جلد فارغ ہو گئے۔

''سر! یہ کیا؟ آپ نے تو کچھ کھایا ہی نہیں۔''

''بھئی، اتنا ہی کھانا اچھا، جتنا انسان آسانی سے ہضم کر سکے۔ میں پیٹ بھر کر کھانے کا عادی نہیں ہوں۔''

یہ کہہ کر انھوں نے چائے کی پیالی اٹھالی۔ جلد ہی وہ چائے سے بھی فارغ ہو گئے۔

''اب میں اجازت چاہوں گا۔''

''بہت بہتر، میں آپ کو اپنی گاڑی میں چھوڑ آتا ہوں۔''

''نہیں، میں رکشے میں جاؤں گا۔ آپ تکلف نہ کریں۔''

ابرار صاحب نے بہت کوشش کی کہ فواد صاحب کو کار میں چھوڑ آئیں، لیکن وہ کسی طرح نہیں مانے اور رکشے میں بیٹھ کر چلے گئے۔ ابرار خاں اپنے دروازے پر کھڑے خلا میں گھورتے رہ گئے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ یہ صاحب آخر کیا چیز ہیں۔

دوسرے دن پھر دفتر کے معاملات کا آغاز ہوا۔ ابرار خاں نے نئی فائلوں پر دستخط کرانے چاہے، جب کہ عام معمول ہے، نائب اپنے افسر کے سامنے فائل کا وہ حصہ کر دیتے ہیں، جہاں دستخط کرانے ہوتے ہیں اور افسر فوراً آنکھیں بند کر کے دستخط کر دیتے ہیں، لیکن فواد احمد نے پڑھے بغیر کسی فائل پر بھی دستخط نہ کیے۔ اس بات نے ابرار خاں کو پریشان کر دیا۔ انھوں نے بہت حیلے بہانے کیے، مگر بات نہ بنی۔ فواد احمد اپنے اصولوں کے بہت پکے ثابت ہوئے تھے۔ اب ایسے افسر کے ساتھ دفتر والوں کی کہاں بنتی ہے۔ ابرار خاں کے ساتھ دوسرے بھی تنگ آ گئے۔ انھوں نے اپنی جوڑ توڑ والی کوششیں شروع کر دیں۔ آخر ان کی کوششیں رنگ لائیں اور فواد احمد کے وہاں سے تبادلے کے احکام جاری ہو گئے۔ یہ احکام جب انھیں ملے تو ان کی پیشانی پر ایک

شکن تک نہ آئی، بلکہ وہ بہت بھرپور انداز میں مسکرائے۔ یہ مسکراہٹ ابرار خاں اور دوسرے ماتحتوں سے چھپی نہ رہ سکی، کیوں کہ اس وقت کئی ماتحت کمرے میں موجود تھے۔ اسی روز دوپہر کے وقت فواد احمد نے چپراسی کو بلانے کے لیے گھنٹی بجائی۔ چپراسی اندر داخل ہوا تو وہ بولے: ''ابرار خاں کو بلائیں۔''

جلد ہی ابرار خاں اندر داخل ہوئے۔ وہ قدرے خوف زدہ تھے کہ اب فواد احمد انھیں خوب کھری کھری سنائیں گے، لیکن ایسا کچھ نہ ہوا، بلکہ انھوں نے محبت بھرے لہجے میں کہا: ''ابرار صاحب! ایک روز آپ نے مجھے چاے پلائی تھی۔ اس روز مجھے یہ بات معلوم نہیں تھی کہ آپ مجھے چاے کی دعوت کیوں دے رہے ہیں۔ بعد میں معلوم ہوا تھا۔ خیر اب جب کہ میں یہاں سے رخصت ہو رہا ہوں اور یہاں میرے آخری چند دن باقی ہیں، میری ایک خواہش ہے۔''

''جی، کیا کہا آپ نے ...... خواہش؟'' مارے حیرت کے ابرار خاں نے پوچھا۔

''ہاں، ایک چھوٹی سی خواہش، ویسے جتنا عرصے میں یہاں رہا، میں نے آپ لوگوں کے ساتھ کوئی زیادتی تو نہیں کی۔''

''جی، زیادتی؟ نہیں سر! بالکل کوئی زیادتی نہیں کی۔''

''تب پھر آپ میری خواہش پوری کر دیں۔''

''آپ، آپ کیا چاہتے ہیں؟'' ابرار خاں نے قدرے گھبرا کر کہا۔

''یہ کہ آج شام چاے آپ میرے ساتھ پییں، بلکہ آپ اپنے ساتھیوں کو بھی لے آئیں۔''

''جی۔'' ابرار خاں حیرت زدہ رہ گئے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ فواد صاحب کوئی ایسی فرمائش کریں گے۔

''ہاں بس، میری یہ خواہش پوری کر دیں اور میں آپ لوگوں سے کچھ نہیں چاہتا۔''

''ٹھیک ہے سر! سب آ جائیں گے۔''

''بہت بہت شکریہ!''

اور شام کو ابرار خاں اپنے ساتھیوں کے ساتھ فواد صاحب کے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔ انھوں نے دیکھا کہ ان کا ڈرائنگ روم نہایت سادہ تھا۔ کسی دیوار پر کوئی قیمتی فریم نہیں تھا، نہ دروازوں پر قیمتی پردے لٹک رہے تھے، سوفا سیٹ بھی عام سا تھا۔ کرسیاں پرانے طرز کی تھیں اور نہ جانے کب سے چل رہی تھیں۔

فواد احمد نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا: ''السلام علیکم! میں آپ سب کا شکر گزار ہوں کہ آپ تشریف لائے۔ دراصل میرے سر پر ابرار خاں صاحب کی چاے کا قرض تھا۔ میں وہ اتارنا چاہتا تھا۔ سو آپ لوگوں کو بلا لیا۔''

''یہ، یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں سر! چاے کا قرض۔''

''ہاں، چاے کا قرض۔ آپ لوگ تشریف رکھیں، ابھی چاے آتی ہے۔''

وہ بیٹھ گئے۔ فواد احمد اندرونی دروازے سے نکل گئے۔ جلد ہی وہ ایک بڑی ٹرے میں دس کپ رکھے اندر آ گئے۔ انھوں نے سب کے سامنے ایک ایک کپ رکھنا شروع کیا۔ یہ دیکھ کر ابرار خاں گھبرا گئے۔

''سر! میں رکھ دیتا ہوں کپ، سب کے سامنے۔''

وہ بولے: ''آپ سب میرے مہمان ہیں، تشریف رکھیں۔''

اور پھر انھوں نے سب کے سامنے کپ رکھ دیے۔ ایک کپ اپنے سامنے رکھ لیا اور بولے:

''معاف کیجیے گا، میں اس سادہ چاے سے زیادہ آپ کی تواضع کرنے کے قابل نہیں ہوں۔ میری تنخواہ مجھے اس سے زیادہ کی اجازت نہیں دیتی اور معاملہ تھا قرض کا۔ اللہ کا شکر ہے، وہ میں نے آج ادا کر دیا۔ چاے شروع کیجیے۔''

یہ کہتے ہوئے انھوں نے اپنا کپ اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔ چاے کی پیالیوں سے اُٹھتی بھاپ ابرار خاں اور اس کے ساتھیوں کو ایک پیغام دے رہی تھی اور وہ اس بھاپ کی زبان اچھی طرح سمجھ رہے تھے۔ ☆

معلومات افزا

سلیم فرخی

معلومات افزا کے سلسلے میں حسب معمول سولہ سوالات دیے جا رہے ہیں۔ سوالوں کے سامنے تین جوابات بھی لکھے ہیں، جن میں سے کوئی ایک صحیح ہے۔ کم سے کم گیارہ صحیح جوابات دینے والے نونہال انعام کے مستحق ہوں گے، لیکن انعام کے لیے گیارہ سے زیادہ صحیح جوابات بھیجنے والے نونہالوں کو ترجیح دی جائے گی۔ اگر ۱۶ جوابات صحیح دینے والے نونہال ۱۵ سے زیادہ ہوئے تو پندرہ نام قرعہ اندازی کے ذریعے سے نکالے جائیں گے۔ قرعہ اندازی میں شامل ہونے والے باقی نونہالوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ گیارہ سے کم صحیح جوابات دینے والوں کے نام شائع نہیں کیے جائیں گے۔ کوشش کریں کہ زیادہ سے زیادہ جوابات صحیح دیں اور انعام میں ایک سو روپے نقد حاصل کریں۔ صرف جوابات (سوالات نہ لکھیں) صاف صاف لکھ کر کوپن کے ساتھ اس طرح بھیجیں کہ **۱۸-فروری ۲۰۱۰ء تک** ہمیں مل جائیں۔ جوابات کے کاغذ پر بھی اپنا نام پتا بہت صاف لکھیں۔ ادارۂ ہمدرد کے ملازمین / کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔

۱۔ حضور اکرمؐ کے چچا .... نے آپؐ کی پرورش کی تھی۔ (حضرت حمزہ ۔ حضرت عباس ۔ حضرت ابوطالب)

۲۔ جنگ تبوک سنہ .... ہجری میں لڑی گئی۔ (۹ ہجری ۔ ۱۰ ہجری ۔ ۱۱ ہجری)

۳۔ پاکستان میں یکم جنوری .... سے اعشاری سکوں کا نظام رائج ہے۔ (۱۹۵۷ء ۔ ۱۹۶۱ء ۔ ۱۹۶۴ء)

۴۔ سلطان محمود غزنوی اپنے .... امیر سبکتگین کی وفات پر بادشاہ بنا۔ (چچا ۔ بھائی ۔ والد)

۵۔ لاہور میں شیش محل مغل بادشاہ .... نے بنوایا تھا۔ (جہاں گیر ۔ عالم گیر ۔ شاہ جہاں)

۶۔ مشہور شاعر .... کا اصل نام عبدالحیٔ تھا۔ (ساغر صدیقی ۔ ساحر لدھیانوی ۔ مجاز لکھنوی)

۷۔ ۱۹۱۷ء میں .... میں کمیونسٹ انقلاب آیا تھا۔ (روس ۔ فرانس ۔ جرمنی)

۸۔ تارپین کا تیل .... کے درخت سے حاصل کیا جاتا ہے۔ (صنوبر ۔ نیم ۔ برگد)

۹۔ واٹر پولو کی ایک ٹیم میں .... کھلاڑی ہوتے ہیں۔ (سات ۔ نو ۔ گیارہ)

۱۰۔ رومن ہندسوں میں ۹۰۰ کے عدد کو انگریزی حروف .... سے ظاہر کرتے ہیں۔ (CM - LC - MC)

۱۱۔ شیریں .... زبان کا لفظ ہے، جس کا مطلب ہے میٹھا۔ (ترکی ۔ فارسی ۔ ہندی)

۱۲۔ ''یادوں کی برات'' .... کی سوانح حیات ہے۔ (جوش ملیح آبادی ۔ قتیل شفائی ۔ احمد فراز)

۱۳۔ خلجی خاندان کے پہلے بادشاہ جلال الدین خلجی، علاء الدین خلجی کے .... تھے۔ (والد ۔ چچا ۔ بھائی)

۱۴۔ سابق کرکٹر .... کو "لٹل ماسٹر" کہا جاتا ہے۔ (نذر محمد ۔ مشتاق محمد ۔ حنیف محمد)

۱۵۔ مشہور و مقبول سماجی بھلائی کی تنظیم ایدھی فاؤنڈیشن کے بانی جناب .... ایدھی ہیں۔ (عبدالغفار۔ عبدالستار۔ عبدالجبار)

۱۶۔ مشہور شاعر سودا کا ایک شعر یہ ہے:

سودا خدا کے واسطے کر قصہ مختصر اپنی تو .... اُڑ گئی تیرے فسانے میں (بھوک ۔ نیند ۔ رنگت)

کوپن برائے معلومات افزا نمبر ۱۷۰ (فروری ۲۰۱۰ء)

نام : ....

پتا : ....

....

....

کوپن پر صاف صاف نام، پتا لکھیے اور اپنے جوابات (سوال نہ دہرائیں، صرف جواب لکھیں) کے ساتھ لفافے میں ڈال کر دفتر ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ، کراچی ۷۴۶۰۰ کے پتے پر اس طرح بھیجیں کہ **۱۸/فروری ۲۰۱۰ء** تک ہمیں مل جائیں۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر جوابات کے صفحے پر چپکا دیں۔

کوپن برائے بلاعنوان انعامی کہانی (فروری ۲۰۱۰ء)

عنوان : ....

نام : ....

پتا : ....

....

....

یہ کوپن اس طرح بھیجیں کہ **۱۸/فروری ۲۰۱۰ء** تک دفتر پہنچ جائے۔ بعد میں آنے والے کوپن قبول نہیں کیے جائیں گے۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام اور ایک عنوان لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر کاپی سائز کے کاغذ پر درمیان میں چپکائیے۔

کے ممبر بنیں اور اپنی ذاتی

لائبریری بنائیں

بس ایک سادہ کاغذ پر اپنا نام، پورا پتا صاف صاف لکھ کر ہمیں بھیج دیں

اور نونہال بک کلب کے ممبر بن جائیں۔

ممبر بننے کی کوئی فیس نہیں ہے

ہم آپ کو ممبر بنالیں گے اور ممبر شپ کے کارڈ کے ساتھ کتابوں کی فہرست بھی بھیج دیں گے۔

ممبر شپ کارڈ کی بنیاد پر آپ نونہال ادب کی کتابوں کی خریداری پر

۲۵ فی صدر عایت حاصل کر سکتے ہیں

جو کتابیں منگوانی ہوں، ان کے نام، اپنا پورا صاف پتا اور ممبر شپ کا کارڈ نمبر لکھ کر بھیجیں اور رجسٹری فیس اور کتابوں کی قیمت کی رقم منی آرڈر کے ذریعے سے ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان، ہمدرد سینٹر، ناظم آباد نمبر ۳، کراچی کے پتے پر بھیج دیں۔ آپ کے پتے پر ہم کتابیں بھیج دیں گے۔

سو روپے کی کتابیں منگوانے پر رجسٹری فیس ہم برداشت کریں گے

ان کتابوں سے لائبریری بنائیں، کتابیں خود بھی پڑھیں اور اپنے ساتھیوں کو بھی پڑھوائیں۔

علم کی روشنی پھیلائیں۔

نونہال بک کلب

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان۔ ناظم آباد۔۳ کراچی ۷۴۶۰۰

بلاعنوان انعامی کہانی

حسن ذکی کاظمی

میرزاہد علی اور میر ساجد علی سگے بھائی تھے۔ سگے رشتوں میں محبت ہونا تو ایک قدرتی بات ہے، لیکن ان دونوں بھائیوں کی محبت کی دھوم دور دور تک تھی۔ ایسی محبت تو واقعی مشکل سے دیکھنے میں آتی ہے، لیکن نہ جانے اس محبت کو کس کی نظر لگی کہ ایک دن دونوں بھائیوں کے ملے ہوئے گھروں کے بیچ میں دیوار کھڑی ہوگئی۔ سنا ہے کہ والد کی جائیداد کے بٹوارے پر کچھ غلط فہمی ہوئی۔ تھوڑی سی رنجش ہوئی۔ دونوں بھائیوں نے اسے دبانے کی کوشش کی، لیکن برا چاہنے والوں نے اسے ایسی ہوا دی کہ چنگاری بھڑک اٹھی۔

چھوٹے بھائی ساجد علی نے بہت کوشش کی کہ گھروں کے بیچ دیوار نہ اٹھے۔ خاندان کی عورتوں اور نوجوانوں نے بھی یہی چاہا، لیکن زاہد علی تو آگ بگولا بنے ہوئے تھے۔ انھوں نے کسی کی سنی اور نہ مانی۔ دلوں کے بیچ تو نفرت کی دیوار اٹھی ہی تھی، گھروں کے صحن میں بھی اینٹ گارے کی اونچی سی دیوار کھڑی ہوگئی۔

گھروں کے بیچ ایسی دیوار کھڑی ہوئی کہ ایک دوسرے کے دکھ سکھ اور غم اور خوشی کی خبر ملنا بھی بند ہوگئی۔ وہ تو اللہ بھلا کرے بُو انصیبن کا کہ کبھی کبھار اِدھر کی چھوٹی موٹی خبر اُدھر اور اُدھر کی خبر کی اِدھر پہنچا دیتی تھیں۔ وہ بھی ڈرتے ڈرتے اور بتانے سے پہلے یہ ضرور کہہ دیتی تھیں: ''بی بی! میرا نام بیچ میں نہ آئے، ورنہ میرا دونوں گھروں میں آنا جانا بند ہوجائے گا۔ اللہ جانتا ہے۔ میں سنتی تو بہت کچھ ہوں، لیکن منھ سے بھاپ نہیں نکالتی۔'' بہر حال بُو انصیبن نے ہی ایک دن دائیں بائیں دیکھ کر سرگوشی کے لہجے میں یہ خبر سنائی کہ ساجد علی کی بڑی بیٹی زینب کا رشتہ طے پا گیا ہے اور رجب کے چاند میں اس کی رخصتی ہوگی۔

یہ خبر ایسی تھی کہ میرزاہد علی کی بیگم اسے اپنے تک نہ رکھ سکیں اور شام ہوتے انھوں نے

اپنے شوہر کو یہ بات سنادی۔ زاہد علی یہ خبر سن کر کچھ نہ بولے، بالکل خاموش رہے۔ ایسا لگا کہ وہ کسی سوچ میں کھو گئے ہیں۔ بیگم کو اچھی طرح یہ اندازہ تھا کہ میر زاہد علی کو اپنی اس بھتیجی سے بے حد محبت رہی تھی۔ بچپن میں وہ اسے گود میں اٹھائے اٹھائے پھرتے تھے۔ ہر وقت اس کے لاڈ کرتے تھے۔ وہ تھوڑی بڑی ہوئی تو زاہد علی اس سے دیر دیر تک باتیں کرتے۔ اکثر اسے پڑھاتے، اسے کتابیں لا کر دیتے اور ساجد علی سے کہتے: ''ساجد میاں! یہ بات غور سے سن لو کہ یہ میری بیٹی ہے۔ اس کی شادی میں کروں گا۔ یہ بڑی ہو جائے تو ان شاء اللہ اس کے لیے ایسا دولھا تلاش کروں گا جو لاکھوں میں ایک ہو۔ بھئی، بات یہ ہے کہ میری بچی بھی تو لاکھوں میں ایک ہے۔ تمیز دار، ذہین، پڑھائی کی شوقین، خوب صورت...... ماشاء اللہ، ماشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنی حفاظت میں رکھے۔'' یہ کہہ کر زاہد علی جیب سے ایک سکہ نکال کر زینب کے ماتھے سے لگاتے اور ساجد علی کی بیگم کو دیتے ہوئے کہتے: ''لو شکیلہ! یہ ہماری بیٹی کا صدقہ ہے۔ کسی کو دے دینا اور ہاں، میں تمھیں یہ بتا دوں ......خبر دار، جو اس کی شادی کے معاملے میں تم نے یا تمھارے میاں نے دخل دیا۔ جو کرنا ہے، بس میں کروں گا۔''

شکیلہ سن کر کہتیں: ''بھائی صاحب! آپ بزرگ ہیں۔ زینب کے لیے باپ سے زیادہ ہیں۔ آپ ہی کریں گے۔ اللہ وہ دن تو لائے۔''

اور بُوا نصیبن کی اطلاع کے مطابق وہ دن آن پہنچا۔ رجب میں دن ہی کتنے باقی تھے۔ یہ جمادی الاول کی مہینہ تھا۔ بس ایک مہینہ بیچ میں تھا۔

میر زاہد علی کھانا کھانے کے بعد اخبار لے کر صوفے پر بیٹھ گئے۔ بیگم کو پورا اندازہ تھا کہ نظریں اخبار پر جمی ہیں، لیکن میر صاحب کا دماغ کہیں اور ہے۔ یکا یک انھیں اپنا وہ جملہ یاد آیا جو وہ اکثر اپنے چھوٹی بھاوج سے کہا کرتے تھے: ''خبر دار، جو زینب کی شادی کے معاملے میں تم نے یا تمھارے میاں نے دخل دیا۔ جو کرنا ہے، بس میں کروں گا۔''

پھر زاہد علی کے ہونٹوں پر بڑی کڑوی سے مسکراہٹ آئی اور وہ سوچنے لگے کہ کہاں تو میں ساجد اور شکیلہ سے یہ کہا کرتا تھا کہ سارے فیصلے میرے ہوں گے۔ سارا انتظام میں خود کروں

گا اور کہاں نوبت یہ آن پہنچی ہے کہ سر پر ہاتھ رکھ کر اسے اللہ حافظ بھی نہ کہہ سکوں گا۔

پھر چھوٹے بھائی کے یہ جملے ان کے کان میں گونجے: ''بھائی صاحب! میں نے مانا کہ ہمارے درمیان خلوص کا رشتہ ختم ہوا، لیکن خون کے رشتے کو تو کوئی ختم نہیں کر سکتا۔ ایسا نہ کیجیے کہ ہم ایک دوسرے کی صورت کو ترس جائیں اور ہماری آئندہ نسلیں ایک دوسرے کو پہچان بھی نہ پائیں۔''

وہ وقت ایسا تھا کہ میر زاہد علی کے سر پر غصے کا بھوت سوار تھا، لہٰذا نہ انھوں نے بھائی کی بات سنی، نہ نوجوانوں کی منت سماجت پر کان دھرے اور نہ خواتین کی سسکیوں کی پروا کی۔ رشتوں، محبتوں اور جذبات کا خون ہوتا رہا اور دیوار اٹھتی رہی۔

زاہد علی نے اخبار ایک طرف رکھ دیا اور حساب لگانے لگے: ''زینب کی شادی کی اتنی جلدی کیا تھی ان لوگوں کو! ابھی تو وہ بہت چھوٹی ہے۔ جب یہ دیوار اٹھی تھی تو اس وقت وہ گیارہ سال کی تھی۔ اس بات کو اب نو سال ہونے کو آئے۔ مطلب یہ ہوا کہ گیارہ اور نو سال ہو گئے بیس، مگر ہاں، بیس سال تو مناسب عمر ہے شادی کے لیے۔ ٹھیک فیصلہ کیا ہے ساجد نے۔ اماں جی زندہ ہوتیں تو وہ تو کب کے ہاتھ پیلے کر چکی ہوتیں زینب کے۔ اماں جی تو کہتی تھیں کہ بس لڑکی سولہ سے اوپر ہوئی اور ماں باپ کے لیے بوجھ بنی۔ ہاہاہا...... اماں جی کی باتیں بھی خوب تھیں۔''

اماں جی کی یاد آئی تو ایک عجیب خیال زاہد علی کے دماغ میں آیا۔ وہ سوچنے لگے کہ جس دن زینب کی شادی ہوگی، اس دن اماں جی کی روح پوتی کو اپنی دعاؤں کے ساتھ رخصت کرنے ضرور آئے گی۔ کتنی رنجیدہ ہوں گی وہ یہ دیکھ کر کہ نہ ان کا زاہد ہے، نہ بڑی بہو اور بڑے پوتا پوتی۔ تو کیا ہوا، روح کے لیے دیوار پار کرنا کون سا مشکل ہے؟ وہ اِدھر آ جائیں گی ملنے کے لیے۔

زاہد علی اپنے اس بچکانہ خیال پر خود ہی خود ہنسے اور اپنے آپ سے کہنے لگے:

''میر صاحب! آپ نے ہی تو دیوار اٹھوائی ہے اور وہ بھی اتنی اونچی اُٹھوا دی ہے کہ ہوا کا جھونکا بھی اِدھر سے اُدھر نہ جا سکے۔ اماں جی کو تو بڑی تکلیف ہوگی یہ دیوار پار کرنے میں۔''

میر زاہد علی اپنے خیالوں پر خود ہی مسکراتے ہوئے اُٹھے اور ٹیلے وژن کھول کر اس کے

چینل بدلنے لگے۔ ایک چینل پر وہ رک گئے۔ کوئی بتا رہا تھا: ''اتوار ۱۳-اگست ۱۹۶۱ء کو جرمنی کے شہر برلن کے بیچ میں میلوں لمبی اور خوب اونچی دیوار اٹھا دی گئی، جس کے ایک طرف یعنی مغربی برلن میں سرمایہ داری نظام کے ماننے والوں کا غلبہ تھا اور دوسری طرف یعنی مشرقی برلن میں کمیونسٹ نظریات رکھنے والوں کا۔ یہ سیاسی تقسیم اپنی جگہ، لیکن اس دیوار نے بہت سے خاندانوں اور دوستوں کو بھی تقسیم کر دیا۔ برلن کے باشندے صبح صبح جاگے تو پتھر اور سیمنٹ کی ایک دیوار چیخ چیخ کر انھیں بتا رہی تھی کہ تم اب اپنے ہی شہر میں اِدھر سے اُدھر نہیں جا سکتے اور ہاں، یاد رکھو کہ اس دیوار کے اِدھر والے عزیز اور دوست آج سے اُدھر والوں کے لیے غیر بن گئے ہیں، مخالف بن گئے ہیں، دشمن بن گئے ہیں۔ اٹھائیس سال تک اس دیوار پر اور اس کے دونوں طرف نفرتیں منڈلاتی رہیں، لیکن آخر کب تک؟ پھر یہ ہوا کہ نفرت کی آگ بجھنا شروع ہوئی۔ محبت نے اپنا اثر دکھایا اور پھر نومبر ۱۹۸۹ء کا وہ خوب صورت دن آیا، جب اس دیوار کو گرانے کا کام شروع ہوا۔ یہ مبارک تاریخ ۹-نومبر تھی، جب دونوں طرف کے لوگ پھاوڑے، کدالیں اور ہتھوڑے لے کر نفرت کی اس خوف ناک نشانی پر پل پڑے۔ کئی ہفتے یہ کام جاری رہا اور دسمبر ۱۹۸۹ء میں بل ڈوزروں نے اس دیوار کا نام و نشان مٹا دیا، جو ان کے درمیان زبردستی کھینچ دی گئی تھی۔''

پروگرام کے آخر میں بتایا گیا کہ آج دنیا بھر میں دیوارِ برلن کے گرائے جانے کی بیسویں سال گرہ منائی جا رہی ہے۔ زاہد علی نے ٹیلے وژن بند کیا اور سوچنے لگے! ''اتنی بڑی، اتنی اونچی دیوار، جس نے ایک شہر کے دو شہر بنا دیے تھے اور ایک قوم کو دو قوموں میں تقسیم کر دیا تھا، دیکھتے دیکھتے زمین سے غائب ہو گئی، اس لیے کہ دیوار کے دونوں طرف رہنے والوں کے دل صاف ہو گئے تھے۔ تو پھر بھلا اس دیوار کی کیا حیثیت ہے، جو انھوں نے چھوٹے سے صحن کے بیچ میں اٹھالی ہے۔''

رات کو زاہد علی کو بہت کم نیند آئی۔ وہ سوئے کم اور سوچتے زیادہ رہے۔ صبح نماز کے بعد ابھی اندھیرا ہی تھا کہ وہ باہر آئے اور برآمدے میں کھڑے ہو کر انھوں نے منشی جی کو آواز دی۔ منشی جی ہڑبڑا کر باہر نکلے اور اپنے کوارٹر سے تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے زاہد علی کے پاس پہنچے۔

''میاں! خیریت تو ہے، اتنے سویرے سویرے کیسے یاد کیا؟''

زاہد علی مسکرا کر بولے: ''ہاں منشی جی، سب خیریت ہے۔ آپ سے ایک ضروری کام ہے۔''

منشی جی نے ذرا حیرانی سے کہا: ''جی فرمایئے۔ میں حاضر ہوں۔''

زاہد علی نے پوچھا: ''منشی جی! آپ نے وہ دیوار تو دیکھی ہوگی جو اندر صحن میں کھنچی ہے؟''

منشی جی کی حیرانی بڑھ گئی: ''جی میاں! بہت دفعہ دیکھی ہے۔ خیریت تو ہے؟ کیا ہوا اس دیوار کو؟''

زاہد علی کچھ سوچتے ہوئے بولے: ''ابھی تک تو کچھ نہیں ہوا۔ اب میں یہ کام آپ کے سپرد کر رہا ہوں کہ آپ دو دن میں دیوارِ برلن کو ایسا غائب کیجیے کہ کسی کو اس کا نشان تک نہ ملے۔''

منشی جی نے کچھ پریشان ہو کر کہا: ''میاں! میں سمجھا نہیں۔ دیوارِ برلن کیسی؟''

زاہد علی نے غور سے منشی جی کو دیکھتے ہوئے کہا: ''منشی جی! یہ صحن میں جو دیوار اٹھی تھی، اسے فوراً گروا دیجیے۔ گروایئے ہی نہیں، اس کا نشان مٹوا دیجیے۔''

منشی جی حیرانی اور خوشی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ بولے: ''میاں! میں یہ کام آپ کے حکم کے مطابق فوراً کروں گا، لیکن میرا مشورہ ہے کہ ساجد میاں کو بھی اس کی اطلاع دے دیں اور ان سے اجازت......''

میر زاہد علی نے بات کاٹی: ''اجازت!! میں اجازت لوں ساجد علی سے، منشی جی! آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ! پہلی بات یہ کہ دیوار میں نے اٹھوائی تھی اور میں ہی گروا رہا ہوں۔ نہ میں نے اس وقت کسی دوسرے کی مرضی معلوم کی تھی اور نہ اب کروں گا۔ دوسری بات یہ کہ ساجد میاں میرے چھوٹے بھائی ہیں، میں بڑا ہوں۔ ساجد کی کیا مجال کہ میرے فیصلے میں دخل دیں۔ آپ فوراً مزدور لگایئے۔ باقی مجھ پر چھوڑ دیجیے۔''

منشی جی بولے: ''جیسا آپ کا حکم۔''

زاہد علی گھر کے اندر آ گئے اور اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ ایک دن گزر گیا۔ دوسرے دن کا سورج نکلا تو انھوں نے عجیب منظر دیکھا۔ بڑا خوب صورت منظر، نہایت دل

کش منظر، دیوار گر چکی تھی۔ صحن میں ایک طرف میر زاہد علی اور ان کے گھر کے افراد کھڑے تھے اور دوسرے طرف میر ساجد علی کے۔ کوئی کسی سے کچھ نہ کہہ رہا تھا۔ بس آنسوؤں کا ایک سیلاب تھا، جو ان کے جذبات کو ایک دوسرے تک پہنچا رہا تھا۔ دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا اور ہر طرف خاموشی رہی۔ آخر میر زاہد علی آگے بڑھے اور زینب کو اپنے سے لپٹاتے ہوئے بولے: ''اپنی پیاری بیٹی کی خاطر آج میں نے دیوارِ برلن کو گرادیا۔''

باہر سے منشی جی کی آواز آئی: ''زاہد میاں! یہ مٹھائی کا ڈبا اندر منگوا لیجیے اور میری طرف سے سب کا منھ میٹھا کر دیجیے۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو مبارک کرے۔''

ساجد علی دروازے کی طرف دوڑے اور مٹھائی کا ڈبا لے آئے۔ مٹھائی آتے ہی زاہد علی نے ایک لفافہ زینب کو پکڑا دیا۔ ساجد نے پوچھا: ''بھائی صاحب! یہ کیا ہے؟''

زاہد علی بولے: ''اس میں زمین کے اُس ٹکڑے کے کاغذ ہیں، جس کی وجہ سے یہ منحوس دیوار اٹھی تھی۔ میں اپنی طرف سے یہ زمین کا ٹکڑا اپنی لاڈلی بیٹی کو جہیز میں دے رہا ہوں۔''

ساجد علی جذبات سے بھری آواز میں بولے: ''بھائی صاحب! آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟''

زاہد علی غصے کی آواز بنا کر بولے: ''خبردار، جو اِس مبارک موقع پر کسی نے ایسی ویسی بات کی۔'' اور یہ کہہ کر انھوں نے چھوٹے بھائی کو لپٹا لیا۔ ☆

اس بلاعنوان انعامی کہانی کا اچھا سا عنوان سوچیے اور صفحہ **۸۱** پر دیے ہوئے کوپن پر کہانی کا عنوان، اپنا نام اور پتا صاف صاف لکھ کر ہمیں **۱۸-فروری ۲۰۱۰ء** تک بھیج دیجیے۔ کوپن کو ایک کاپی سائز کاغذ پر چپکا دیں۔ اس کاغذ پر کچھ اور نہ لکھیں۔ اچھے عنوانات لکھنے والے تین نونہالوں کو انعام کے طور پر کتابیں دی جائیں گی۔ نونہال اپنا نام پتا کوپن کے علاوہ بھی علاحدہ کاغذ پر صاف صاف لکھ کر بھیجیں تاکہ ان کو انعامی کتابیں جلد روانہ کی جاسکیں۔

نوٹ: ادارۂ ہمدرد کے ملازمین اور کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔

چین کی سب سے بڑی مسجد

حبیب خان

عظیم نونہالو! یہ تو آپ جانتے ہی ہوں گے کہ چین آبادی کے لحاظ سے دنیا کا سب سے بڑا ملک ہے۔ اس ملک کی موجودہ آبادی ایک ارب بیس کروڑ سے زیادہ ہے۔ چین میں مسلمانوں کی آبادی دو کروڑ سے زیادہ ہے۔ زیادہ تر چینی مسلمان پاکستان سے ملحق سنکیانگ ویغور خود مختار علاقے میں آباد ہیں۔ یہ علاقہ چینی ترکستان بھی کہلاتا ہے، کیوں کہ یہاں کے زیادہ تر باشندے ترکی النسل یعنی ویغور، ازبک، قازق اور کرغیز ہیں۔ ارومچی ختین اور کاشغر یہاں کے مشہور شہر ہیں۔ کاشغر سے متعلق حضرت علامہ اقبال کا یہ شعر زبان زدِ خاص و عام ہے:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر

ایک دل چسپ بات یہ ہے کہ شہید پاکستان حکیم محمد سعید کے بزرگوں کا تعلق بھی کاشغر سے ہی تھا، جو وہاں سے ہجرت کر کے دہلی کے محلّہ کاشغری میں آباد ہوئے۔

کاشغر میں واقع عید گاہ مسجد چین کی سب سے بڑی مسجد ہے۔ یہ عربی اور مغلیہ طرزِ تعمیر کا خوب صورت شاہکار ہے اور کاشغر کی ایک پہچان بن چکی ہے۔ ہر سال ہزاروں سیاح اس مسجد کو دیکھنے کے لیے آتے ہیں۔ یہ مسجد ۱۴۴۲ء میں تعمیر کی گئی تھی اور یوں یہ پانچ سو سالہ تاریخ کی حامل ہے۔ ۱۵۳۸ء میں اس مسجد کو مزید وسعت دی گئی۔ پھر مختلف زمانوں میں توسیع اور تعمیرات کا سلسلہ جاری رہا۔

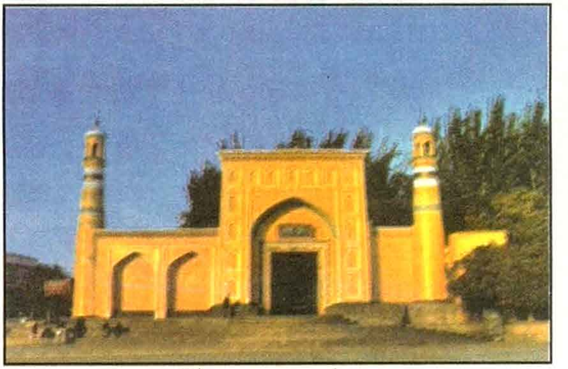

کاشغر کی عید گاہ شمالاً جنوباً ایک سو چالیس میٹر لمبی ہے، جب کہ مشرق سے مغرب کی جانب ایک سو بیس میٹر چوڑی ہے۔ اس کا کل رقبہ سولہ ہزار آٹھ سو مربع میٹر ہے۔ مسجد کا بیرونی دروازہ بڑا دل کش ہے اور یہ زرد اینٹوں سے تعمیر کیا گیا ہے۔ اس دروازے کی اونچائی چار اعشاریہ سات میٹر ہے، جب کہ چوڑائی چار اعشاریہ تین میٹر ہے۔ مسجد کے دونوں جانب اٹھارہ میٹر اونچے بلند مینار ہیں، جہاں سے مؤذن روزانہ پانچ مرتبہ اذان دیتا ہے۔

مسجد کے بیرونی دروازے سے اندر داخل ہونے کے بعد ایک بہت بڑا صحن آتا ہے، جہاں قسم قسم کے درخت اور رنگارنگ پھول اپنی بہار دکھاتے ہیں۔ صحن کے شمال اور جنوب میں چھتیس کمرے ہیں، جو بطور مدرسہ استعمال ہوتے ہیں۔ مسجد کا بڑا ہال مغرب میں واقع ہے جو آگے چل کر اندرونی و بیرونی دو ہالوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ عید گاہ مسجد کی اہمیت نہ صرف اس کی وسعت سے ظاہر ہے، بلکہ یہ سنکیانگ بھر کے مسلمانوں کے لیے اکھٹے ہونے کا ایک مقام بھی ہے۔ یہاں ہر روز دو تین ہزار مسلمان نماز پڑھتے ہیں۔ جمعے کو یہاں نماز پڑھنے والوں کی تعداد چھے تا سات ہزار ہو جاتی ہے۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے موقع پر قرب و جوار سے بیس تا تیس ہزار افراد یہاں نماز پڑھتے ہیں، جو رنگ برنگ چوغے پہنے سر پر پگڑیاں باندھے، گول اور چار کونے والی ترکی ٹوپیاں پہنے ہوئے ہوتے ہیں۔ مسجد کے ارد گرد کے علاقے کو خوب صورت بنانے پر خاص توجہ دی گئی ہے۔ یہاں جگہ جگہ درخت پھول اور فوارے نظر آتے ہیں۔ ★

نونہال مصور

سعد معراج صدیقی، لیاقت آباد، کراچی

ویدا ریاض فاطمی، کراچی

طوبیٰ فاروق حسین شیخ، شکارپور

مائرہ عبدالواحد، اورنگی ٹاؤن

مرزا محمد شان، خیرپور میرس

راؤ محمد مبشر شبیر، ملتان

SANIPLAST®
First Aid Bandage
"Junior hamesha pass"
Junior
Pingo
'In everyday activities children get minor cuts, bruises, & abrasions. SANIPLAST protects the minor wounds from infection, germs, & bacteria, and helps them heal the natural way.'
uniferoz
Believes in care and healing

تصویر خانہ

شائزہ شجاعت، شاہ فیصل کالونی

عبداللہ عمران، دستگیر

سیف اللہ دایو، رتوڈیرو

صفدر علی شاہ، رتوڈیرو

انکشا بے بی، رتوڈیرو

سبین محسن، کراچی

کنول ملک، کراچی

محمد فیضان کھتری، نیو کراچی

بسمہ انوش، کراچی

گلے میں ہو خراش، آئے ورم یا آواز بیٹھ جائے
شربت
ٹوت سیاہ
سردی آتے اور جاتے وقت گلے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے ایسے میں
گلے میں خراش، ورم آنے یا آواز بیٹھ جانے
کی شکایات عام ہوتی ہیں۔ ہمدرد شربت توت سیاہ کی چند خوراکیں گلے کی
ان شکایات کا فوری خاتمہ کرتی ہیں۔ اب سردی آئے یا جائے۔ آپ
کے گلے کو کیا گلہ۔ کیونکہ آپ کو تو ہے ہمدرد شربت توت سیاہ ملا۔
ہمدرد
بولو کھُل کھُلا کے!
FOCAL POINT

موضوع تھا: "ہم زندہ قوم ہیں ـ پائندہ قوم ہیں"

ہمدرد نونہال اسمبلی، لاہور

رپورٹ: سید علی بخاری

ہمدرد نونہال اسمبلی لاہور میں مشیر وزیراعلا محترمہ ذکیہ شاہنواز اور سینئر پروگرام منیجر ادارہ تعلیم و آگہی محترم سعید الحسن نونہالوں کے ساتھ۔

ہمارا پیارا وطن پاکستان ان دنوں شدید آزمایشوں سے دو چار ہے اور اندرونی و بیرونی سازشوں کا شکار ہے۔ ہماری قوم نے دشمنوں کو پہچاننا شروع کر دیا ہے۔ آج پوری قوم افواجِ پاکستان کے شانہ بشانہ دشمنانِ اسلام کے خلاف صف آرا ہے۔ عوام، میڈیا اور عدلیہ نے بدعنوان افراد کے محاسبے کا آغاز کر دیا ہے۔ پاکستانی قوم کا عزم و حوصلہ بتا رہا ہے کہ ہمارا ملک کرپشن سے پاک ہو جائے گا اور اس ملک میں امن و امان قائم ہو گا، کیوں کہ ہم زندہ قوم ہیں۔

ہمدرد نونہال اسمبلی لاہور کے اجلاس میں نونہال مقررین میں صباء مختار، مبشرہ حفیظ، سیدہ آمنہ خرم، کیجز عثمان، کائنات فاطمہ، ارم شبیر اور مہک صابر شامل تھیں۔ مہمانِ خصوصی مشیر

وزیر اعلا پنجاب محترمہ ذکیہ شاہنواز تھیں اور مہمان کی حیثیت سے ادارہ تعلیم و آگہی کے محترم سعید الحسن شریک ہوئے۔

محترمہ ذکیہ شاہنواز نے کہا کہ ماں باپ کا فرض ہے کہ وہ ان بچوں کی اچھی تربیت کریں، تا کہ کل اس وطن کو اچھے لیڈر مل سکیں۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ نئی نسل ہماری تقدیر بدل دے گی اور پاکستان تا قیامت سلامت رہے گا۔ اس موقع پر مختلف اسکولوں کے نونہالوں نے ٹیبلوز اور خاکے پیش کیے۔

ہمدرد نونہال اسمبلی، راولپنڈی

رپورٹ: حیات بھٹی

ہمدرد نونہال اسمبلی راولپنڈی میں محترم پروفیسر ڈاکٹر طارق رحمان اور نونہال تقریر کر رہے ہیں۔

مہمانِ خصوصی محترم پروفیسر ڈاکٹر طارق الرحمٰن (ڈائرکٹر نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف پاکستان اسٹڈیز، قائداعظم یونی ورسٹی) تھے۔ اسپیکر نونہال رابعہ ممتاز تھیں۔ نونہال نبیل احمد نے تلاوتِ کلام پاک، نونہال فائزہ بی بی نے حمد باری تعالیٰ اور نونہال اقراء ناز نے نعت رسولؐ پیش کی۔

تقاریر کرنے والے نونہالوں میں ہشمہ قریشی، نادیہ نور، احمد اسمٰعیل، عامرہ حفیظ، مائرہ نور اور فرحان احمد عادل شامل تھے۔ ملی نغمہ نوبل کیمبرج اسکول کے نونہالوں نے پیش کیا۔ خاکہ

اور ٹیبلو پاک لینڈ اسکول سسٹم کے نونہالوں نے پیش کیا۔

جناب ڈاکٹر طارق رحمان نے کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم واقعی ایک زندہ اور پائندہ قوم ہیں، جو ہر میدان میں ناقابلِ تسخیر ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ہم جدید تعلیم، ٹیکنالوجی اور تحقیق میں ابھی پیچھے ہیں۔ ہمارے ملک کے نونہالوں کو اس طرف خصوصی طور پر توجہ دینا ہوگی اور جدید تعلیم کو ہر حال میں حاصل کرنا ہوگا۔

قومی صدر اسمبلی محترمہ سعدیہ راشد نے کہا کہ ہمارا پیارا وطن ان دنوں شدید آزمایشوں سے دوچار ہے اور اندرونی و بیرونی سازشوں میں گھرا ہوا ہے۔ ہم اپنے عزم، حوصلے سے ان شاء اللہ بہت جلد سرخ رو ہوں گے اور ترقی کی منازل طے کرتے چلے جائیں گے۔ لاکھوں قربانیوں کے بعد حاصل کی جانے والی یہ مملکتِ خداداد پوری امتِ مسلمہ کے لیے ایک امید کی کرن تھی، لیکن قائداعظم کے بعد ہمیں آج تک کوئی ایسا راہ نما مل سکا، جو عوام کی توقعات پر پورا اترے اور ان کا اعتماد حاصل کر سکے۔

یہ وطن آج جن پریشانیوں کا شکار ہے، یہ ہماری تاریخ کا مشکل ترین دور ہے۔ ہم بدعنوانی، دہشت گردی، ضروری چیزوں کی عدم دستیابی کا شکار ہیں۔ بحیثیتِ قوم ہم ان بحرانوں سے گھبرانے والے اور حوصلہ ہارنے والے نہیں اور ان سب حالات و مشکلات کے باوجود ہم پُرعزم ہیں، کیوں کہ یہ وطن ہمارے خوابوں کی تعبیر اور عزم کا آئینہ دار ہے۔ اِس گلشن کی حفاظت کے لیے ہم اپنی بہادر افواج کے شانہ بشانہ کھڑے ہیں، کیوں کہ ہم زندہ قوم ہیں، پائندہ قوم ہیں۔

آخر میں مہمانِ خصوصی نے نونہالوں میں انعامات تقسیم کیے اور دعاے سعید پڑھی گئی۔

☆ ☆ ☆

سب سے اچھا کام

پروفیسر مجیب ظفر انوار حمیدی

''سب سے اچھا کام بھلا کون سا ہو سکتا ہے؟'' رابی بڑبڑائی۔

''آخر سب سے اچھے کام ہم کریں کس طرح؟'' اظہر بولا۔

مانی بولا: ''بھئی، میری سمجھ میں تو یہ نہیں آ رہا کہ اچھے کام کرنے کا امی ابو نے کیوں کہا؟''

''امی ابو نے یقیناً کچھ سوچ کر ہی اچھے کام کرنے کا حکم دیا ہوگا۔ ذرا سوچو بھائیو! دنیا میں بے شمار اچھے کام ہو سکتے ہیں۔''

''مثلاً؟'' مانی نے تیوریاں چڑھا کر پوچھا۔

رابی بات کٹنے پر سخت ناراض تھی، بولی: ''مانی! تمھیں ذرا تمیز نہیں کہ درمیان سے کسی کی بات نہیں کاٹا کرتے اور نہ بات کے درمیان اچانک بولنا شروع کر دیتے ہیں، یہ تو اس طرح ہوا جیسے چلتے چلتے کسی کو اڑنگڑی دے دو اور بے چارہ لڑھک کر گر جائے!''

اظہر نے جھگڑا چکاتے ہوئے کہا: ''اڑنگڑی ورنگڑی کو چھوڑو...... کام سوچو اچھا سا، آخر ہم کون سے ایسے کام کریں جو واقعی نہایت اچھے ہوں؟''

''نادانو! دنیا میں بے شمار اعلا و ارفع کام ہیں۔ ذرا سوچو، ذرا سمجھو۔''

''بھئی، میرے نزدیک تو مرغ پلاؤ یا چکن بروسٹ کھانا دنیا کا سب سے اچھا کام ہے!'' مانی نے اپنی توند پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

اظہر جمائی لے کر بولا: ''میرے نزدیک تو نماز، روزہ ہی اصل نیک کام ہیں جو سب سے اچھے ہیں۔''

''ونڈر فل...... ویری گڈ...... واہ اظہر واہ! تم کو تو اپنے دماغ کی حفاظت کرنی چاہیے۔ کیا

اچھوتا آئیڈیا ہے۔ بھئی واہ، نماز، روزہ...... بالکل ہم تینوں آج ہی سے نماز روزہ شروع کر دیتے ہیں۔''

گھر کے ماحول میں ایک نمایاں تبدیلی آ گئی۔

تینوں بچوں نے پابندی سے نماز ادا کرنا شروع کر دی۔ فجر کی نماز میں بچے اکثر کاہلی کرتے، لیکن امی جان بڑے پیار سے گدگدا کر اٹھاتیں تو ہنسی خوشی نماز ادا کر لیا کرتے۔

امی، ابو بھی خوش...... اللہ میاں بھی خوش۔

ایک ہفتے بعد تینوں بچوں کو خیال آیا کہ امی ابو سے پوچھ کر تو دیکھیں کہ آیا ہم نے اچھا کام کیا بھی یا نہیں؟

وہ بھاگم بھاگ امی ابو کے پاس پہنچے، اپنے اچھے کام کے متعلق پوچھا۔

مسکراتے ہوئے جواب ملا: ''پیارے بچو! بے شک نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ نہایت اچھے، پیارے اور نیک کام ہیں، لیکن یہ تو فرائض ہیں۔ بھلا فرض میں کوتاہی کیسی؟ اور اچھے برے کا کیا سوال؟ یہ تو تمھارا فرض ہے، ہاں کوئی اور اچھا کام کر کے بتاؤ۔''

تینوں کے منھ لٹک گئے، ہونٹ سکڑ گئے، بھوویں کمان بن گئیں، سانسیں تیز ہو گئیں اور نتھنے پھڑ پھڑانے لگے۔

''آخر...... آخر...... اچھے کام سے آپ لوگوں کی کیا مراد ہے؟'' رابی با قاعدہ احتجاج پر اتر آئی۔

اچانک کمرے میں گھر کا کام کاج کرنے والی ملازمہ داخل ہوئی۔ اس بے چاری کو سخت بخار ہو رہا تھا۔ اس نے امی جان سے کہا: ''بیگم صاحبہ! میرا بخار بڑھتا جا رہا ہے۔ مجھے اب چھٹی دے دیں، تاکہ میں حکیم صاحب کو جا کر دکھا دوں، ورنہ حکیم صاحب دواخانہ بند کر کے چلے جائیں گے۔''

اظہر چونک سا گیا۔ امی کے جواب دینے سے پہلے ہی بول اٹھا: ''اماں جی! آپ پریشان کیوں ہوتی ہیں؟ ہمارا اسکول تو دوپہر کا ہے، میں ابھی بھاگ کر حکیم صاحب کو آپ کا حال بتاتا ہوں اور دوا لے آتا ہوں۔''

امی، ابو اور ملازمہ کے چہروں پر مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ ذرا دیر بعد ابو بولے: ''جی ہاں، یہ ہوگیا آپ کا اچھا کام۔ واقعی تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے اور ہمیں انسانوں سے اچھا سلوک کرنا چاہیے۔''

رابی اور مانی کے سر جھکتے چلے گئے۔ شاید دونوں سوچ رہے تھے کہ ہمیں یہ خیال پہلے کیوں نہیں آ گیا۔ اچانک رابی کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی، بولی: ''امی! میرے سالانہ امتحانات ختم ہو چکے ہیں۔ میرے پرچے نہایت اچھے ہوئے ہیں۔ اگر آپ کہیں تو میں اپنی پچھلی کتابیں کسی ایسے بچے کو دے دوں جس کے پاس نئی کتابیں خریدنے کے لیے رقم نہ ہو؟''

''ویری گڈ! بہت خوب ...... یہ ہوگیا تمھارا اچھا کام۔''

امی نے فیصلہ دے دیا۔ ملازمہ مسکرانے لگی۔ آگے بڑھ کر تینوں بچوں کے سروں پر ہاتھ پھیرنے اور دعائیں دینے لگی۔ مانی روہانسا ہو کر بولا: ''مت دیں مجھے دعائیں، میں بہت گندا بچہ ہوں۔ میں نے تو کوئی بھی اچھا کام نہیں کیا۔ مجھے اچھے کام کرنے آتے ہی نہیں ہیں۔''

ابو امی نے اسے چمکارا، لیکن وہ منھ بناتا رہا۔ اچانک اس نے چٹکی بجائی، چندیا کھجائی، سیدھی آنکھ میچی، ذرا سا سوچا اور چلایا: ''کل جمال انکل کی بلی میری سائیکل سے ٹکرا کر زخمی ہوگئی تھی۔ سوری امی! ابو! میں نے آپ کو یہ بات نہیں بتائی۔ اب میں نے سوچا ہے کہ اسے روزانہ جانوروں کے اسپتال لے جا کر اس کی مرہم پٹی کرایا کروں گا۔ اللہ میاں نے جانوروں پر بھی رحم کرنے کی تاکید فرمائی ہے، اس لیے شاید اللہ میاں مجھے معاف فرما دیں اور میرے اچھے کام کو قبول کرلیں۔''

ابو نے بے اختیار خوشی سے اچھلتے ہوئے گول مٹول مانی بیٹے کو سینے سے لگالیا۔ امی کے منھ سے بے اختیار نکلا: ''ارے بھئی! ہمارے تینوں بچوں کے ذہنوں میں اچھے سے اچھے کام آئے، اس طرح انعام تو آپ تینوں کا ہوا۔''

''ہُرّا!'' تینوں بچوں نے خوشی سے بھرپور نعرہ لگایا اور جواب میں امی ابو مسکرا اٹھے۔ ☆

جارج اسٹیفنسن - ریلوے کا موجد

نسرین شاہین

آپ نے ریل گاڑی میں سفر ضرور کیا ہوگا، جس کے آگے ایک انجن ہوتا ہے اور جس کے پیچھے لمبے لمبے کئی ڈبے ہوتے ہیں، جس میں سیکڑوں مسافر سفر کرتے ہیں اور ایک انجن ان تمام ڈبوں کو گھسیٹتا ہوا تقریباً ۶۵ سے ۸۰ کلو میٹر فی گھنٹے کی رفتار سے بھاگا چلا جاتا ہے۔ کیا آپ نے کبھی سوچا ہے کہ یہ سواری کس نے ایجاد کی؟ آیئے، آج آپ کو ریل کی ایجاد کی کہانی سناتے ہیں۔

برسوں پہلے انگلستان کی کانوں سے کوئلا نکال کر باہر لانے کا کام گھوڑوں سے لیا جاتا تھا۔ یہ گھوڑے ایک گاڑی کو کھینچتے تھے۔ کسی کو خیال آیا کہ ایسی گاڑیوں کو زمین پر کھینچنے کے بجائے کیوں نہ لوہے کی پٹریوں پر کھنچوایا جائے۔ اس طرح رگڑ میں کمی آجائے گی۔ گھوڑوں کو محنت بھی کم کرنی پڑے گی اور گاڑیوں کی رفتار بھی بڑھ جائے گی۔

اس وقت تک بھاپ کا انجن ایجاد نہیں ہوا تھا اور گھوڑے ہی محنت مشقت کے سب کام کرتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب بہت سے انجینئر بھاپ سے چلنے والے انجن بنانے اور انھیں ترقی دینے کی کوشش کر رہے تھے، لیکن جارج اسٹیفنسن کو ریل کا ایجاد کرنے کا اعزاز حاصل ہوا اور ریل کی تاریخ میں بڑی شہرت حاصل ہوئی۔

جارج اسٹیفنسن (GEORGE STEPHENSON) ۱۷۸۱ء میں انگلستان کے شمال مشرقی علاقے ''نیو کاسل'' کے ایک گاؤں ''ویلدم'' میں پیدا ہوا۔ نیو کاسل کوئلوں کی کانوں کی وجہ سے مشہور تھا۔ اسٹیفنسن کا باپ ایک کان میں مزدوری کرتا تھا۔ اسٹیفنسن کا باپ اتنا غریب تھا کہ وہ اپنے بچوں کو اسکول میں پڑھا بھی نہیں سکتا تھا۔ اسٹیفنسن نے بچپن سے گھر میں غربت کا ماحول

دیکھا۔ وہ بہت حساس تھا۔ ایک بار ان کے گاؤں میں میلا لگا، اسٹیفنسن اپنی چھوٹی بہن کو لے کر میلا دیکھنے چلا گیا۔ وہاں اس کی بہن نے ایک ہیٹ خریدنے کی فرمائش کی۔ اسٹیفنسن کے پاس پیسے نہیں تھے۔ اس دن اسے اپنی غربت کا شدت سے احساس ہوا، لیکن اس نے اپنی بہن کی فرمائش پوری کردی۔ وہ اس طرح کہ سارا دن اس نے محنت مزدوری کی، جو پیسے ملے، اس سے دوسرے دن اپنی چھوٹی بہن کو اس کی پسند کا ہیٹ دلا دیا۔

جارج اسٹیفنسن کی عمر جب پندرہ سال ہوئی تو وہ بھی ایک شلنگ روزانہ پر اپنے باپ کے مددگار کے طور پر کوئلے کی کان پر جانے لگا۔۔ وہ فارغ وقت میں کچھ لکھتا، پڑھتا، سیکھتا تھا۔ اسے شروع ہی سے چیزوں کو غور سے دیکھنے اور غور و فکر کی عادت تھی۔ وہ کان سے پانی نکالنے والے انجنوں کو بہت غور سے دیکھتا تھا۔ سترہ سال کی عمر میں اسے ایک انجن کی دیکھ بھال پر ملازم رکھ لیا گیا۔ انجن میں کوئی خرابی ہوتی تو وہ خود اسے ٹھیک کر لیتا۔ رفتہ رفتہ انجن کے تمام پرزوں کو پہچاننے لگا۔ اسے شروع ہی سے بھاپ سے چلنے والا انجن بنانے کا شوق تھا اور اس سلسلے میں وہ جو کچھ سیکھ سکتا تھا، اس نے سیکھا اور تجربے کیے۔ اسٹیفنسن نے اپنی پڑھائی پر بھی توجہ دی، کیوں کہ اسے معلوم تھا کہ تعلیم کے بغیر ترقی ممکن نہیں۔

جارج اسٹیفنسن کی عمر جب اکیس سال ہوئی تو اسے ''بریک'' پر ترقی دے دی گئی۔ بریک اس مشین کو کہتے تھے، جس کے ذریعے کان سے کوئلا نکالا جاتا تھا۔ اس بریک پر نہایت تجربے کار لوگ ملازم رکھے جاتے تھے۔ اسٹیفنسن کو اس کی تعلیمی قابلیت اور غور و فکر کی عادت کی وجہ سے یہ ترقی ملی تھی۔ اسی دوران اسٹیفنسن کی شادی ہوگئی، لیکن کچھ ہی عرصے بعد اس کی بیوی کا انتقال ہوگیا۔ اس وجہ سے وہ بے حد اداس اور غمگین رہنے لگا، لیکن پھر اس نے اپنے آپ کو کام میں مصروف کرلیا۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ ایک ایسا انجن بنائے جو گاڑیاں کھینچ سکے۔ اپنی اس خواہش کی تکمیل کے لیے وہ کام میں جُت گیا۔ اس نے انجنوں کے بہت سے نمونے بنائے۔ آخر وہ

ایک انجن بنانے میں کام یاب ہو گیا۔ اسی دوران اسے اسکاٹ لینڈ میں ایک جگہ ملازمت مل گئی، لیکن اسے یہاں کام میں مزہ نہ آیا۔ پھر وہ ایک دوسرے علاقے ویسٹ مور چلا گیا اور ایک انجن کا ڈرائیور بن گیا۔ ایک مرتبہ یوں ہوا کہ ایک انجن خراب ہو گیا تو اسٹیفنسن نے اس کی خرابی فوراً ٹھیک کر دی۔ تمام لوگ حیران ہو گئے، کیوں کہ اس خرابی کو بڑے بڑے انجینئر بھی ٹھیک نہ کر سکے تھے۔ انجن کے مالک نے خوش ہو کر نہ صرف اسٹیفنسن کو دس پونڈ انعام میں دیے، بلکہ انجن کا نگراں بھی بنا دیا۔

جلد ہی ترقی کر کے اسٹیفنسن چیف انجینئر بن گیا اور اس کی تنخواہ ایک سو پونڈ سالانہ ہو گئی۔ کام کے دوران وہ ایسا انجن بنانے پر غور کرتا رہا جو بہت سے ڈبوں کو کھینچ سکے، لیکن اس کام کے لیے وقت اور پیسے درکار تھے۔ اس موقع پر ایک امیر آدمی نے اسٹیفنسن کی مدد کی اور وہ اپنے تجربے میں مصروف ہو گیا۔ آخر مسلسل دس مہینے کی محنت کے بعد اس نے گاڑیوں کو کھینچنے والا انجن بنا ہی لیا۔ اس انجن کی آزمائش ۱۸۱۴ء میں کی گئی، جب اسے ریل کی پٹری پر چلایا گیا۔ اسٹیفنسن نے نہ صرف اپنے انجن کو بہت بہتر بنایا، بلکہ ریلوے لائن کی طرف بھی توجہ دی۔ اس نے لوہے کو ڈھال کر ریل کی پٹری بنائی اور ''نیوکاسل'' میں مال دار لوگوں کے تعاون سے انجن بنانے کا ایک کارخانہ قائم کیا۔ پھر ۱۸۲۵ء میں ایک نئی پٹری بچھائی گئی، جس پر اسٹیفنسن کی بنائی ہوئی پہلی ریل گاڑی چلائی گئی۔ اس ریل گاڑی کی رفتار بارہ میل فی گھنٹہ تھی اور اس کا انجن بھاپ کی مدد سے چلتا تھا۔ اسٹیفنسن کے بنائے ہوئے اس پہلے انجن کا نام تھا: ''لوکوموشن۔''

لوکوموشن کی دھوم مچ گئی، کیوں کہ اس نے بیس میل فی گھنٹہ کی رفتار حاصل کر لی، جو اس زمانے میں بلاشبہ بہت زیادہ تھی۔ انگلستان میں ریلوے کا نظام شروع ہوا تو اسٹیفنسن کو ریلوے کا انجینئر مقرر کر دیا گیا۔ اس کی تنخواہ ایک ہزار پونڈ سالانہ مقرر ہوئی۔ یہ وہی لڑکا تھا جسے بچپن میں صرف ایک شلنگ روزانہ مزدوری ملتی تھی۔ اسٹیفنسن نے سب سے بڑا انجینئر بن جانے کے بعد

بھی محنت اور کوشش جاری رکھی اور پورے ملک میں ریلوے لائن کا جال بچھا دیا۔ ریلوے لائنوں پر پل تعمیر کیے گئے اور کئی راستے زمین کے اندر سے نکالے گئے۔ اس کی نگرانی میں دلدلوں کو بھرا گیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ اپنے انجن کو مزید بہتر بناتا رہا۔ اس کام میں اس کے بیٹے نے بھی بڑی مدد کی۔ دونوں باپ بیٹوں کی محنت رنگ لائی اور وہ ایسا انجن بنانے میں کام یاب ہو گئے، جس کے ایک حصے میں ایندھن اور دوسرے میں پانی بھرا جاتا تھا۔ اس انجن کا وزن ایک سو بارہ من تھا اور اس کی رفتار بھی پہلے کے مقابلے میں زیادہ تھی۔

یہ ۱۸۳۰ء کی بات ہے، جب انگلستان میں ریل گاڑی چلنے کا افتتاح ہوا تو انگلستان کے وزیر اعظم اور بہت سے دوسرے لوگ اس موقع پر موجود تھے۔ آٹھ انجن چلا کر اس تقریب کا آغاز کیا گیا۔ سب سے آگے جو انجن ڈبے (بوگیاں) لے کر روانہ ہوا، اسے جارج اسٹیفنسن خود چلا رہا تھا اور اس کی رفتار بیس میل فی گھنٹہ تھی۔

۱۸۴۸ء میں ریل گاڑی کے اس عظیم موجد کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت اس کی عمر ۶۷ سال تھی۔ مرنے کے بعد اس عظیم موجد کی یاد میں لیور پول، لندن اور نیو کاسل میں اس کے مجسمے نصب کیے گئے۔ یہ تھی دنیا کی پہلی ریل گاڑی اور اس کے موجد جارج اسٹیفنسن کی کہانی جو مسلسل محنت، لگن اور جدوجہد سے وجود میں آئی۔ سچ ہے محنت کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔ ☆

دینار کا غلام

محفل میں ایک کنجوس آدمی کا ذکر چھڑا ہوا تھا۔ یحییٰ برمکی بھی محفل میں موجود تھے۔ کسی نے کنجوس پر اعتراض کرتے ہوئے کہا: ''وہ لاکھوں دینار کا مالک ہے، لیکن اس میں سے ایک دینار بھی خرچ نہیں کرسکتا۔''

یحییٰ برمکی نے ہنستے ہوئے کہا: ''اگر وہ اپنے لاکھوں دیناروں میں سے ایک دینار بھی خرچ نہیں کرسکتا تو وہ ان دیناروں کا مالک کہاں ہوا، اس کی کنجوسی کی وجہ سے اب دینار اس کے مالک ہیں اور وہ شخص دیناروں کا غلام ہے۔'' ☆

جوہری توانائی

مسعود احمد برکاتی

ایٹم بم ۱۹۴۵ء میں جاپان کے دو جیتے جاگتے شہروں پر گرائے گئے تھے۔ جب سے اب تک دنیا کا ہر ملک اپنی حیثیت کے مطابق قوت کی اس نئی شکل کو حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ایٹمی تجربات ہو رہے ہیں اور انسان خود اپنی ہلاکت کا سامان پیدا کر رہا ہے، لیکن اگر اسی جوہری توانائی کو تعمیری اور دوسرے کاموں مثلاً زراعت، صحت، اور عام زندگی میں آسانیاں پیدا کرنے کے لیے استعمال کیا جائے تو ہماری حالت ہی بدل جائے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ جوہری توانائی ہے کیا؟ آپ نے پڑھا ہوگا کہ مادے کا سب سے چھوٹا جزو سالمہ یا مالیکیول کہلاتا ہے، جو خود ایٹموں سے مل کر بنا ہوتا ہے۔ ایٹم کا ایک مرکزہ (NUCLEUS) ہوتا ہے، جس پر پروٹان اور نیوٹرون ہوتے ہیں اور اس کے مرکز کے چاروں طرف مختلف حلقوں پر الیکٹرون گردش کرتے رہتے ہیں۔ یہ ہوتی ہے ایٹم کی اندرونی ساخت، لیکن مرکزے پر پروٹان اور نیوٹرون سختی سے ایک دوسرے کے ساتھ جکڑے ہوتے ہیں۔

جب ہم دو چیزوں کو آپس میں رگڑتے ہیں یا کسی نمک کو پانی میں گھولتے ہیں تو ایٹم کے کچھ بیرونی الیکٹرون اس سے جدا ہو جاتے ہیں، لیکن جو الیکٹرون مرکزے کے قریب ہوتے ہیں، انھیں ان کی جگہ سے ہٹانا نسبتاً مشکل ہوتا ہے، البتہ کیمیائی عمل سے ایسا کیا جا سکتا ہے۔ یہاں تک تو قابلِ عمل ہے لیکن کسی بھی ایٹم کے مرکزے کو توڑنا مشکل کام ہے، لیکن کوشش سے اس مشکل پر بھی قابو پا لیا گیا ہے۔

فرض کیجیے، آپ کے پاس دو چیزیں ہیں، جو ایک قوت کے ساتھ ایک دوسرے سے جکڑی ہوئی ہیں۔ اگر آپ انھیں ایک دوسرے سے جدا کریں گے تو وہ قوت بھی آزاد ہو جائے گی، جو انھیں جکڑے ہوئے تھی۔ لکڑی کے دو چھوٹے بلاکوں کی مثال لے لیجیے، جو ایک مضبوط لچک دار ربربینڈ سے ایک دوسرے کے ساتھ جکڑے ہوئے ہیں۔ اگر آپ باہر سے کوئی چیز مار کر ایک بلاک کو باہر نکال دیں تو

ربر کا لچک دار بینڈ بڑے زور سے ایک طرف اُڑ جائے گا۔

جب آپ کسی ایٹم کے یا مرکزے کے پروٹان اور نیوٹرون کو ایک دوسرے سے جدا کرتے ہیں تو کچھ اسی قسم کا نتیجہ نکلتا ہے، یعنی وہ قوت آزاد ہو جاتی ہے، جو انھیں آپس میں جکڑے ہوئے تھی۔ اسی کو ایٹامک انرجی یا جوہری توانائی کہتے ہیں اور یہ بہت طاقت ور ہوتی ہے۔ پروٹان اور نیوٹرون تو وزن میں نہایت مختصر ہوتے ہیں، لیکن ان کے الگ ہونے یا ان میں انتشار پیدا ہو جانے سے جو قوت آزاد ہوتی ہے، وہ ہزاروں گنا زیادہ ہوتی ہے۔ اب یہ ہم پر منحصر ہے کہ ہم اس قوت کو میزائلوں اور بموں کے ذریعے سے اپنی تباہی کے لیے استعمال کریں یا اپنی خوش حالی اور تعمیر کے لیے۔ ☆

اشاعت سے معذرت

☆ **کراچی: (تحریریں)** نیک نیت، پروفیسر غائب دماغ، پیاز ہی پیاز، حضرت ہود علیہ السلام، یہ وطن ہمارا ہے، علم، نیک عمل، اچھا دوست، میری ڈائری کا ایک ورق، شعبان المعظم، کنجوس، طاقت ور کون، خواب سچا ہو گیا، شہید پاکستان حکیم محمد سعید شہید، گہرا صدمہ، شیطانی جال، یاد ماضی، دوستی، شہزادہ اور ریچھ، شہزادی نور، لالچ بری بلا ہے، دھوکے باز لنگور، بیمار پرسی کی فضیلت، میں اور میری چوری، فضائل شبِ برات، سمندر کا بادشاہ، سوات میں فوجی آپریشن، کیلے کے چھلکے، ذمے داریوں کا احساس، ایڈیسن، سخاوت، دیانت داری، انوکھا معالج، ایک سال کم ہو گیا، شیروں کا بادشاہ، غفلت کا نتیجہ، اللہ ہم سب کا رازق ہے، محنت کا پھل، چھوٹی باتیں بڑے کام کی، شکر، دانیال کا خواب، شاہ برگد کی شکایت، اس کا مالک کون تھا؟، تخلیق کار بنیے، (دشمن نہیں دوست)، ایڈی، روشنی کی کرن، میری پسندیدہ شخصیت شہید حکیم محمد سعید، محل اور جھیل ☆ **(نظمیں)** ہم پاکستانی ہیں، بیٹے کی قربانی، کتاب میری ساتھی، سوات، بجلی گھر، کمپیوٹر، موسم رنگ رنگیلا، تتلی، اے دوست پیارے ☆ **حیدرآباد:** میرا پاکستان عظیم ہے، بھرم نبھانا (دوستی نبھانا)، انوکھا ملاپ، ڈاکٹر علامہ اقبال کی ذہانت، اعلا قومی خدمات، میرا پسندیدہ مشغلہ، ہمارا ہمدرد، ملا نصر الدین، غرور کا سر نیچا ☆ **(نظم)** انسان اور انسانیت ☆ **ٹنڈو الہیار:** مصیبت کا وقت، تکبر کا انجام، اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے، لگن ☆ **کوٹری:** نور کا ساگر ☆ **میرپور خاص:** دیکھو کاشف، ماں باپ کی محبت ☆ **ٹنڈو جان محمد:** اوروں کے کام آنا، عید الضحیٰ کی فضیلت ☆ **مورو:** علم شناس ☆ **میر محمد جونو: (نظم)** قرآن ☆ **نوشہرو فیروز:** پیاری چڑیا، حکیم محمد سعید، قائداعظم ☆ **(نظمیں)** نیند، لالچ کی سزا، مادر ہمدرد، مشینی دماغ کمپیوٹر ☆ **سکھر: (نظم)** چھٹی ☆ **شکارپور:** تاجر کی سزا۔

آدھی ملاقات

یہ خطوط ہمدرد نونہال، شمارہ دسمبر ۲۰۰۹ء کے بارے میں ہیں

● کہانی کس کی عید (مسعود احمد برکاتی) پڑھ کر بہت دکھ ہوا۔ درویش کی گائے (سید محمود حسن) بہت اچھی کہانی ہے۔ معلومات پاکستان پڑھ کر دل بہت خوش ہوا۔ **ذیشان حسن منور حسن، حیدرآباد**

● ہمدرد نونہال بہت اچھا جا رہا ہے۔ انکل! آپ کو اتنے اچھے خیالات آتے کہاں سے ہیں؟ **خرد ساجد، بہاول پور۔**

> اللہ نے انسان کو بڑی صلاحیتیں دی ہیں، شرط یہ ہے کہ انسان دماغ سے کام لے اور اچھے جذبات رکھتا ہو۔

● دسمبر کے شمارے میں سب کچھ بہترین اور اچھا لگا، مگر پیار کا جادو (وقار محسن) اور درویش کی گائے (سید محمود حسن) سب سے بہترین رہیں اور کہانی بم بق (معراج) تو بہت ہی مزاحیہ اور پیاری لگی۔ نانی چنو (حسن ذکی کاظمی) سنجیدہ سی مگر اچھی کہانی تھی۔ بلاعنوان کہانی (انور فرہاد) کچھ خاص پسند نہیں آئی۔ شہید حکیم محمد سعید کی سلسلے وار تحریر ''اعضا بولتے ہیں'' بہت زبردست علمی، معلوماتی سلسلہ ہے، جو بہت پسند آتا ہے۔ کہانی درمیانی راستہ (س۔م۔دانش) بھی عمدہ تھی، جس میں یہ بات سمجھائی گئی کہ اعتدال کی راہ ہی زندگی میں کامیابی کی ضامن ہے۔ جاگو جگاؤ اور پہلی بات میں بھی عمدہ بات کہی گئی تھی۔ **ہادیہ، ثوبان، ثمرہ، شنہزل، جھنگ شہر۔**

● شمارہ ماہ دسمبر تمام تر دل چسپیوں کے ساتھ عید قرباں کی خوشیاں دوبالا کر گیا۔ کس کی عید، نانی چنو، درویش کی گائے، درمیانی راستہ، فرق اور پیار کا جادو زبردست کہانیاں تھیں۔ بم بق، بلاعنوان کہانی اور ٹھگ اور گدھا دل چسپ اور پرمزاح کہانیاں تھیں۔ عید قرباں (محمد ظریف خان)، آرزو (کرشن پرویز)، سردی (تنویر پھول) اور عظیم قائد (شمس القمر عاکف) بہترین نظمیں تھیں۔ معلومات پاکستان پڑھ کر معلومات میں اضافہ ہوا۔ دیگر مضامین ریڑھ کی ہڈی، گفتگو کے آداب، خوش مزاج قائد اور سانپوں سے علاج بھی بلاشبہ معلوماتی مضامین تھے۔ علم دریچے اور نونہال ادیب پڑھ کر مزہ آیا۔ ہنسی گھر کے لطیفے اور بیت بازی کے اشعار بھی معیاری تھے۔ دیگر مستقل سلسلے بھی پسند آئے۔ **خوش بخت، زویا، دعا، احسان، حسنین، سحاب، گھوگی۔**

● دسمبر ۲۰۰۹ء کی تمام کہانیاں عید کی خوشیاں دوبالا کر گئیں۔ درویش کی گائے (سید محمود حسن) بلاعنوان انعامی کہانی (انور فرہاد) بم بق (معراج) بہت ہی خوب صورت کہانیاں تھیں۔ کس کی عید (مسعود احمد برکاتی)، نانی چنو (حسن ذکی کاظمی) ان دو کہانیوں نے رلا دیا۔ یہ بہترین تحریریں ہیں، جو انسانی جذبات و احساسات کی صحیح عکاسی کرتی ہیں۔ شہید حکیم محمد سعید کی تحریر ''میں ریڑھ کی ہڈی ہوں'' بہترین تھی۔ نونہال ادیب میں بھی بہترین تحریریں تھیں۔ **سائرہ حفیظ وارثی، کراچی۔**

● دسمبر کا شمارہ تو بہت ہی زبردست تھا۔ سب کہانیاں بہت ہی اچھی تھیں۔ انکل! میں نے آپ کو بہت سارے لطیفے بھیجے ہیں، ان میں سے ابھی تک ایک بھی شائع نہیں ہوا۔ **خدیجہ زاہد، ماریہ زاہد، کراچی۔**

> بس لطیفے بہت اچھے اور نئے ہونے چاہییں۔

● کہانی درویش کی گائے سب سے اچھی لگی۔ بم بق بھی بہت اچھی لگی۔ '' میں ریڑھ کی ہڈی ہوں'' معلوماتی اور دل چسپ تھی۔ **اسد رفیق خان زادہ، نوشہرو فیروز۔**

● دسمبر کا شمارہ بہت اچھا تھا۔ ہر چیز ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ **عیشہ نوید رندھاوا، جہانیاں۔**

● تازہ ہمدرد نونہال بھی لاجواب تھا۔ خاص طور پر نانی چنو (حسن ذکی کاظمی) اور بم بق (معراج) بہت اچھی لگیں۔ **محمد کامران، اسلام آباد۔**

● میں ریڑھ کی ہڈی ہوں (شہید حکیم محمد سعید)، کس کی عید (مسعود احمد برکاتی)، بیت بازی کے اشعار اور ہنسی گھر کے لطیفے بہت پسند

آئے۔ **سرمد صابر انبالوی، محراب پور۔**

● دسمبر کا شمارہ پڑھ کر دل باغ باغ ہوگیا۔ خاص طور پر میں ریڑھ کی ہڈی ہوں (شہید حکیم محمد سعید)، کس کی عید (مسعود احمد برکاتی)، نانی چنو (حسن ذکی کاظمی)، درویش کی گائے (سید محمود حسن) بہترین تھیں۔ بلاعنوان انعامی کہانی بہت مشکل تھی۔ معلومات افزا کے سوالات بھی بہت مشکل تھے۔ بم بق کہانی پڑھ کر ہنس ہنس کر برا حال ہوگیا۔ **رافعہ رسول رحمانی، سانگھڑ۔**

● ہمدرد نونہال کا ہر شمارہ پہلے سے زیادہ دل چسپ ہوتا ہے۔ اس ماہ کا شمارہ بھی اپنی مثال آپ تھا۔ خاص طور پر کہانی بم بق (معراج) اور درویش کی گائے (سید محمود حسن) لاجواب تھیں۔ انکل! کیا آپ بھی سفر نامے لکھتے ہیں؟ ہم نے آپ کا ایک سفر نامہ پڑھا تھا ''دو مسافر دو ملک''۔ انکل! کیا آپ کے اور سفر نامے یا کتابیں بھی ہیں؟ انکل حکیم محمد سعید کے بارے میں تو اکثر پڑھا ہے اور پڑھتے رہتے ہیں، لیکن آپ کے بارے میں بہت ہی کم معلومات ہیں۔ **منزہ انیس مغل، نواب شاہ**

> میرا صرف ایک سفر نامہ ہے، لیکن دوسری ۱۳ کتابیں ہیں۔
> مجھے اپنے بارے میں لکھنا اچھا نہیں لگتا۔

● انکل! آپ کی کہانی ''کس کی عید'' بہت اچھی تھی۔ درویش کی گائے، بلاعنوان، اور بم بق پہلے نمبر پر، جب کہ کہانی نانی چنو دوسرے نمبر پر رہی۔ اس کے علاوہ لطیفے تو ہمیشہ ہی ہنساتے ہیں۔ **فرزین اعجاز ملتانی، ملتان۔**

● ہم چاروں بہن بھائی اور ہمارے امی ابو ہمدرد نونہال بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ ہر مہینے ہمیں ہمدرد نونہال کا بے صبری سے انتظار رہتا ہے اور ہمدرد نونہال کے آتے ہی سب سے پہلے جاگو جگاؤ اور پہلی بات پڑھتے ہیں۔ پھر کہانیوں اور دوسری چیزوں کی باری آتی ہے۔ اس بار کہانیوں میں درویش کی گائے سبقت لے گئی۔ باقی سب کچھ اچھا تھا۔ **عشبہ خان، شاہ زیب خان، ابوزر خان، اظفر خان، کراچی۔**

● جاگو جگاؤ بہت اچھا تھا۔ پہلی بات دل کو بھا گئی۔ روشن خیالات بھی اچھے تھے۔ ''قائداعظم غیر مسلموں کی نظر میں'' بہت اچھا مضمون تھا۔ دوسرے مضمون گفتگو کے آداب، خوش مزاج قائد، معلومات پاکستان اور حکیم محمد سعید کا مضمون ''میں ریڑھ کی ہڈی ہوں'' پڑھ کر معلومات میں اضافہ ہوا۔ نظموں میں عظیم قائد، سردی، آرزو سمیت سب ہی نظمیں اچھی تھیں۔ کہانیوں میں نانی چنو، درویش کی گائے، بم بق، بلاعنوان انعامی کہانی، پیار کا جادو اور ٹھگ اور گدھا بھی اچھی کہانیاں تھیں۔ **محمد افضل رندھاوا، سانگھڑ۔**

● ہر کہانی ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ زیادہ اچھی تحریریں میں ریڑھ کی ہڈی ہوں، کس کی عید، نانی چنو، درویش کی گائے، بم بق اور بلاعنوان انعامی کہانی تھیں۔ **محمد راشد ٹالانی بلوچ، جیکب آباد۔**

● دسمبر کا شمارہ اچھا لگا۔ ''میں ریڑھ کی ہڈی ہوں'' لاجواب تحریر تھی۔ درویش کی گائے بھی اچھی کہانی تھی۔ **راسم اقبال، خانزادہ احسن، نوشہرو فیروز۔**

● دسمبر کے شمارے میں تمام کہانیاں دل چسپ اور سبق آموز رہیں۔ **دانیال خلیل خان، حیدرآباد۔**

● درویش کی گائے، نانی چنو اور بم بق سمیت تمام تحریریں بہت خوب تھیں۔ بلاعنوان کہانی (انور فرہاد) اچھی ہلکی پھلکی تحریر ہے، بہت پسند آئی۔ میں ریڑھ کی ہڈی ہوں (شہید حکیم محمد سعید) اور کس کی عید (مسعود احمد برکاتی) دونوں تحریریں بہت اچھی تھیں۔ علم در یچے اور نظموں میں سردی، اور عید قرباں پسند آئیں۔ ''قائداعظم غیر مسلموں کی نظر میں'' کافی معلوماتی تھا۔ **سمانہ تقوی، کراچی۔**

● ہمدرد نونہال شان دار تھا۔ ساری کہانیاں بہترین تھیں، لیکن پیار کا جادو (وقار محسن) سب سے زیادہ اچھی رہی۔ **عائشہ عبداللہ، گلشن حدید۔**

● اس مرتبہ پورا رسالہ زبردست تھا۔ **سعد ابراہیم، کورنگی، کراچی۔**

● درویش کی گائے، بم بق اور قائداعظم کے متعلق تحریریں اور بلاعنوان کہانی پسند آئیں۔ **محمد آصف نوید، اوکاڑہ۔**

● اس بار بھی ہمدرد نونہال بہت عمدہ، دل چسپ اور معلومات سے بھر پور رہا۔ خاص طور پر قائداعظم غیر مسلموں کی نظر میں، خوش مزاج قائد اور درمیانی راستہ زبردست اور سبق آموز تحریریں تھیں۔ نونہال خبر نامہ اور معلومات پاکستان پڑھ کر دل خوش ہوا۔ انکل! اسی طرح کی معلومات ہر مہینے نونہال میں شائع کرنے کی کوشش کیا کریں۔ ہنسی گھر کا بھی کوئی جواب نہیں ہے۔ **محمد نفیس، کراچی۔**

● کہانیوں میں سب سے زیادہ فرق (تازیہ انور زبیر) اچھی لگی، پھر پیار کا جادو (وقار محسن) تھی۔ بم بق (معراج) اور درویش کی گائے (سید محمود حسن) قربانی کے حوالے سے اچھی لگیں۔ جو کہانی کسی خاص مہینے کے لیے بھیجی ہو، وہ اس سے کتنا عرصہ پہلے بھیجنی چاہیے؟ **اسامہ طیب، کبیر والا۔**

> تین مہینے پہلے بھیجیں اور فوٹو کاپی اپنے پاس رکھیں۔ پتا صاف لکھیں۔

● اس ماہ کی سب ہی کہانیاں اچھی تھیں۔ **محمد افراز ابدالی، کراچی۔**

● دسمبر کے شمارے میں قائداعظم سے متعلق بہت منفرد اور جان دار تحریریں تھیں۔ کس کی عید (مسعود احمد برکاتی) اور درویش کی گائے (سید محمود حسن) بہت اچھی لگیں۔ ''اعضا بولتے ہیں'' زبردست معلوماتی سلسلہ ہے۔ علم دریچے ہمیشہ کی طرح بہت شان دار تھا۔ **اسد سردار، کراچی۔**

● انکل! ماہ دسمبر کا ہمدرد نونہال بے حد پسند آیا۔ ہمدرد نونہال میرا دوست ہے۔ جاگو جگاؤ اور پہلی بات ہمیشہ کی طرح موقع کے لحاظ سے بہترین تھیں۔ روشن خیالات، کس کی عید، خوش مزاج قائد، علم دریچے، ٹھگ اور گدھا، ہنسی گھر گویا پورا ہمدرد نونہال ہی بہت اچھا تھا۔ **دہاج شریف، قدسیہ شریف، شبانہ شریف، کراچی۔**

● ہمدرد نونہال میں چھوٹوں، بڑوں بلکہ ہر عمر کے لوگوں کے لیے بہت کچھ ہوتا ہے۔ **حافظہ عمیرہ خادم حسین، کورنگی کراچی۔**

● دسمبر کا شمارہ بہت دل چسپ تھا۔ بہت زیادہ اچھی کہانی کس کی عید (مسعود احمد برکاتی) لگی۔ درویش کی گائے بھی بہت اچھی تحریر تھی۔ میں ریڑھ کی ہڈی ہوں (شہید حکیم محمد سعید) زبردست معلوماتی تحریر ہے۔ اس سلسلے سے نونہالوں کی معلومات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ **آسیہ ظاہر خان، کوئٹہ۔**

● انکل! دسمبر کا شمارہ پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ قائداعظم غیر مسلموں کی نظر میں پڑھ کر بہت اچھا لگا، کیوں کہ جب کوئی ہماری تعریف کرتا ہے تو بہت اچھا لگتا ہے اور قائداعظم جو پاکستان کے بانی بھی ہیں، ان بارے میں ان کے مخالفوں کے بہت اچھے خیالات ہیں۔ یقیناً وہ بہت ہی ذہین، اچھے اور غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ **سیدہ سدرہ افضال گیلانی، بہاول نگر۔**

● دسمبر کے شمارے نے سردی سے ٹھٹھرتے لوگوں کو گرما دیا۔ خاص طور پر قائداعظم، نانی چنو، پیار کا جادو، درمیانی راستہ اور کس کی عید بہت اچھی تحریریں تھیں۔ **بختاور مصطفیٰ، کہروڑ پکا۔**

● سرورق اچھا لگا۔ جاگو جگاؤ نے جگا دیا۔ پہلی بات نے مہکا دیا۔ روشن خیالات نے دل و دماغ کو روشن کر دیا۔ میں ریڑھ کی ہڈی ہوں، نانی چنو، فرق، پیار کا جادو، درویش کی گائے، بلاعنوان انعامی کہانی، بم بق، درمیانی راستہ اور کس کی عید اچھی تحریریں تھیں۔ **عمر دراز نوناری، ملتان۔**

● میں نونہال کی بہت پرانی قاری ہوں۔ انکل! میں معذرت خواہ ہوں کہ تین بار خط لکھا، لیکن میرا خط تینوں بار بہت لمبا تھا۔ انکل! میں نے آپ سے کبھی کوئی فرمائش نہیں کی، لیکن اب ایک فرمائش کرتی ہوں کہ کہانی ''پیاری سی پہاڑی لڑکی'' نونہال میں شائع کر دیں۔ اس بار سرورق کی تصویر بہت زیادہ پسند آئی۔ کہانیوں میں نانی چنو، درویش کی گائے، بلاعنوان اور بم بق بہت پسند آئیں۔ **صالحہ شاہد، راولپنڈی**

> ہاں ''پیاری سی پہاڑی لڑکی'' شائع کرنے کی بہت فرمائشیں ہیں۔ اب جلد ہی یہ کتاب شائع ہوگی۔

● جاگو جگاؤ، پہلی بات میں اس مہینے کا خیال اور روشن خیالات بہت اچھے تھے۔ تمام شمارہ بہت اچھا تھا۔ کہانیاں سب ہی اچھی تھیں۔ **غالیہ ارم، لاہور**

● بلاعنوان انعامی کہانی (انور فرہاد) تو نمبر ون رہی۔ باقی کہانیاں

نانی چنو (حسن ذکی کاظمی)، درویش کی گائے (سید محمود حسن) اور بم بق (معراج) بھی بہت پسند آئیں۔ نظمیں سردی (تنویر پھول) اور آرزو (کرشن پرویز) بہت اچھی لگیں۔ **محمد حمزہ ظہیر، کراچی۔**

● کہانی کس کی عید، سپر ہٹ، نانی چنو اور درویش کی گائے زبردست، بلاعنوان اچھی اور بم بق ٹھیک تھی۔ **الیس علی، کراچی۔**

● ہر ایک کہانی بہت اچھی تھی۔ سب سے مزے کی کہانی بم بق تھی۔ **طیب رزاق، بھمبر۔**

● درویش کی گائے (سید محمود حسن) بہت پسند آئی۔ لطائف، نونہال ادیب کا سلسلہ بھی پسند آیا۔ بلاعنوان کہانی کا سلسلہ بھی بہت اچھا ہے۔ **یسریٰ مریم، حمزہ شفیع، کراچی۔**

● دسمبر کا شمارہ واقعی قابل تعریف تھا اور حسن ذکی کاظمی کی کہانی نانی چنو بہت زبردست تھی۔ **فائزہ محمد احمد خانزادہ، حیدرآباد۔**

● دسمبر کے شمارے کا جواب ہی نہیں تھا۔ سب سے اچھی تحریر "میں ریڑھ کی ہڈی ہوں" تھی۔ بم بق بہت مزاحیہ کہانی تھی، جب کہ درویش کی گائے اور نانی چنو بھی دل چسپ کہانیاں تھیں۔ نظم "عظیم قائد" بہت اچھی لگی۔ **مہک کامران، کراچی۔**

● جاگو جگاؤ اور پہلی بات ہمیشہ کی طرح اچھی تحریریں تھیں۔ خوش مزاج قائد اور معلوماتی مضمون "میں ریڑھ کی ہڈی ہوں" بہت اچھے تھے اور کہانیوں میں سب سے اچھی کہانی نانی چنو لگی۔ **تبسم محمد لطیف، حیدرآباد۔**

● تمام کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ جاگو جگاؤ، پہلی بات اور روشن خیالات پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ کہانیوں میں کس کی عید (مسعود احمد برکاتی)، نانی چنو (حسن ذکی کاظمی)، درویش کی گائے (سید محمود حسن)، بم بق (معراج) اچھی لگیں۔ لطیفے بھی اچھے تھے۔ **روزینہ شریف، کراچی۔**

● کہانیوں میں انکل معراج کی کہانی بم بق تو بہت ہی مزے دار تھی۔ ہمدرد نونہال میں کسی کھلاڑی، شاعر، ادیب وغیرہ کے انٹرویو شائع کیا کریں تاکہ ان سب کے بارے میں بھی معلومات حاصل ہوں۔ **عارفہ شیخ عبدالرزاق، کراچی۔**

● دسمبر کا شمارہ اچھا تھا۔ خاص طور پر کس کی عید، بم بق، درمیانی راستہ اور ٹھگ اور گدھا اچھی کہانیاں تھیں۔ **فارعہ احمد، لاہور۔**

● ہمدرد نونہال بہت زبردست جا رہا ہے۔ ہر کہانی ایک سے بڑھ کر ایک ہوتی ہے۔ مجھے کس کی عید، درویش کی گائے اور بلاعنوان کہانی بہت اچھی لگیں۔ انسانی جسم کے اعضا کے بارے میں جو سلسلہ شروع ہوا ہے، وہ زبردست جا رہا ہے۔ **حبا توصیف، کراچی۔**

● دسمبر کے ہمدرد نونہال کا سرورق بہت اچھا تھا۔ کہانیوں میں بلاعنوان، کس کی عید اور بم بق بہت ہی اچھی تھیں۔ روشن خیالات بہت ہی روشن تھے۔ پیارے ایڈیٹر صاحب! دسمبر کے نونہال میں صفحہ نمبر ۱۰۰ معلومات افزا ۱۶۸ (سلیم فرخی) کے سوال نمبر ۳ میں ایک چھوٹی سی غلطی تھی۔ شاید آپ نے دیکھی ہوگی۔ سوال یہ تھا: مسلمان فلسفی امام غزالی .... میں طوس (خراسان) میں پیدا ہوئے۔ اشارے یہ تھے: ۱۰۴۰ء۔ ۱۰۵۹ء۔ ۱۱۱۱ء۔ جب کہ بعض کتابوں میں امام غزالی کی پیدائش ۱۰۵۸ء اور بعض کتابوں میں ۱۰۵۷ء لکھی گئی ہے۔ **مشتاق احمد گاڈس ذہبی (گلی غنڈی)۔**

> جی ہاں، ۱۰۵۸ء زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اس شمارے میں معلومات افزا-۱۶۸ کے جوابات کے نیچے وضاحت دیکھیے۔

● دسمبر کا شمارہ بہت پسند آیا۔ ہر کہانی دل چسپ اور منفرد تھی۔ خاص طور پر نانی چنو، درویش کی گائے، بلاعنوان کہانی اور بم بق زبردست رہیں۔ اس کے علاوہ معلومات پاکستان، گفتگو کے آداب، خوش مزاج قائد، شان دار تحریریں تھیں۔ **صفیہ وہاب صدیقی، کراچی۔**

● جاگو جگاؤ، روشن خیالات، کہانیاں، لطیفے اچھے تھے بلکہ دسمبر کا پورا رسالہ ہی بہت اچھا تھا۔ **فرحان بچہ، ٹنڈو الہیار۔**

● دسمبر کے شمارے میں جاگو جگاؤ اور اس مہینے کا خیال اچھا تھا۔ **ارمغان الرحمان، لاہور۔**

● دسمبر کا شمارہ شہد کی طرح میٹھا لگا۔ نونہال مصور بہت زبردست تھا۔ شہید حکیم محمد سعید کی تحریر اعضا بولتے ہیں، معلومات سے بھرپور سلسلہ ہے، جس سے ہم پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ **عائشہ انصاری، حیدرآباد۔**

◉ دسمبر ۲۰۰۹ء کا ہمدرد نونہال اپنی مثال آپ تھا۔ ہمدرد نونہال واقعی بچوں کے اچھے مستقبل کے لیے ایک ہمدرد دوست سے کم نہیں۔ یہ ایک بہترین ماہ نامہ ہے، جو مجھے بہت پسند ہے۔ **محمد گلریز طارق نیازی، خانیوال۔**

◉ ہمدرد نونہال میرا بچپن کا ساتھی ہے، جسے میں نے آج تک اپنے ساتھ رکھا ہوا ہے۔ ہمدرد نونہال سے ہی میں نے اردو پڑھنی سیکھی ہے۔ **کومل زینب، ملتان۔**

◉ دسمبر ۲۰۰۹ء کا شمارہ بہت ہی مزے کا تھا۔ تمام کہانیاں خوب تھیں۔ سب سے اچھی کہانی پیار کا جادو (وقار محسن) لگی۔ **راؤ مبشر شبیر، سکندر آباد۔**

◉ دسمبر کا شمارہ زبردست تھا۔ فرق، بم بق اور درویش کی گائے بہت پسند آئیں۔ **علی اکرام، فیصل آباد۔**

◉ دسمبر کے شمارے میں جاگو جگاؤ، پہلی بات، کس کی عید (مسعود احمد برکاتی) بہت پیاری لگیں۔ نانی چنو، بم بق، درویش کی گائے اور روشن خیالات اچھے تھے۔ علم دریچے کے صفحات میں اضافہ کریں۔ بلاعنوان کہانی بہت بہت پیاری لگی، شہید حکیم محمد سعید کی تحریر "میں ریڑھ کی ہڈی ہوں" لاجواب تھی۔ **محمد ارشد اللہ رکھا، کوٹ غلام محمد۔**

◉ شہید حکیم محمد سعید اور انکل مسعود احمد برکاتی کی تحریریں مجھے زبردست لگیں۔ حسن ذکی کاظمی کی کہانی "نانی چنو" ایک معاشرتی کہانی تھی، جو مجھے بہت پسند آئی۔ درویش کی گائے (سید محمود حسن) اور بم بق (معراج) بھی اچھی کہانیاں تھیں۔ **محمد سعد افراہیم، کورنگی، کراچی۔**

◉ ہمدرد نونہال پڑھ کر دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ ہمدرد نونہال سے دنیا کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ ہم آپ لوگوں کے شکر گزار ہیں۔ **صبا نور مغل، مورو، نواب شاہ۔**

◉ میرے پاس ہمدرد نونہال کی تعریف کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔ بہت خوب، بہت زبردست۔ **عروج عابد صدیقی، کراچی۔**

◉ اس ماہ کا شمارہ زبردست تھا۔ کہانی نانی چنو بہت اچھی لگی۔ **ثمرہ فیاض، کوئٹہ**

◉ اس مہینے کا خیال زبردست تھا۔ نانی چنو، کس کی عید اور میں ریڑھ کی ہڈی ہوں بہت اچھی تحریریں تھیں۔ کہانی پیار کا جادو اور نونہال خبرنامہ بھی بہت پسند آئے۔ **نرمین غفور، گجرات۔**

◉ ہمدرد نونہال کا ایک شمارہ میرے ایک دوست نے پڑھنے کے لیے دیا۔ میں نے یہ رسالہ پہلی مرتبہ پڑھا، لیکن بہت پسند آیا اور اس نے خط لکھنے پر مجبور کر دیا۔ اب میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ اسے ہر مہینے خریدوں گا۔ **عدنان علی نفیسی، ٹوبہ ٹیک سنگھ۔**

◉ اس مہینے کا ہمدرد نونہال بہترین تھا۔ کہانیوں کا جواب نہیں تھا۔ انکل! آپ کو نیا سال مبارک ہو۔ میری دعا ہے کہ یہ سال پاکستان کے لیے مزید ترقی لے کر آئے اور ہمارے ملک میں امن قائم ہو۔ **جویریہ آصف، کراچی۔**

نئے سال کی مبارک باد کا شکریہ۔ خدا کرے یہ سال امن و سکون سے گزرے۔

◉ دسمبر کا شمارہ ہمیشہ کی طرح بہت اچھا تھا۔ نانی چنو، بم بق اور درویش کی گائے بہترین کہانیاں تھیں۔ آپ کی تحریر "کس کی عید" اور حکیم صاحب کی "میں ریڑھ کی ہڈی ہوں" تو شمارے کی ریڑھ کی ہڈی کی طرح تھیں۔ وقار محسن کی "پیار کا جادو" بھی اچھی تھی۔ ایک بات پوچھوں؟ اللہ خیر کرے، اشتیاق احمد صاحب کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟ یا پھر وہ نونہالوں سے ناراض ہیں۔ تقریباً بہت سے نونہالوں کی رائے ہے کہ اشتیاق احمد صاحب کا قسط وار ناول شروع کریں، لیکن آپ ہیں کہ دھیان ہی نہیں دیتے۔ لگتا ہے، آپ بہت مصروف رہتے ہیں۔ اگر اشتیاق احمد صاحب ناول نہیں لکھ رہے تو کوئی بات نہیں۔ آپ حسن ذکی کاظمی صاحب سے کہہ دیں۔ ان کی تحریریں بھی بہت اچھی ہوتی ہیں۔ انھی کا کوئی قسط وار ناول شائع کر دیں۔ معلومات افزا کے سوالات اس بار مشکل لگے۔ انکل! نونہال کو ماشاء اللہ ۵۷ سال ہو گئے ہیں۔ ہر چیز میں تبدیلی آئی، لیکن نونہال لغت ابھی تک وہی ہے۔ اسے بھی کچھ ترقی دیں ایک صفحہ بڑھا دیں۔ **اعجاز خان میرانی، راولپنڈی، چھاؤنی** ☆

شمارے مارچ ۲۰۱۰ء کی متوقع تحریریں

☆ میں تمھارا پاؤں ہوں

شہید حکیم محمد سعید

☆ ایک خوب صورت معاشرتی کہانی

حسن ذکی کاظمی

☆ جن کے ایک بچے کی دل چسپ کہانی

سید محمود حسن

☆ ایک مزے دار جرمن کہانی

مسعود احمد برکاتی

☆ اور بہت سی معلومات اور دل چسپیاں

بلاعنوان کہانی کے انعامات

دسمبر ۲۰۰۹ کے شمارے میں جناب انور فرہاد کی بلاعنوان کہانی شائع کی گئی تھی۔ اس کہانی کے بہت اچھے اچھے عنوانات موصول ہوئے۔ کمیٹی نے بہت غور کے بعد صرف ایک عنوان ''گدھے کی نصیحت'' کو بہترین قرار دیا ہے۔ یہ عنوان ہمیں مختلف علاقوں سے مندرجہ ذیل چار نونہالوں نے بھیجا ہے۔ انھیں انعامی کتاب روانہ کی جا رہی ہے۔

عنوانات بھیجنے والے نونہال یہ ہیں جنھیں انعام کے طور پر کتاب ارسال کی جائے گی۔

۱۔ ویدا ریاض فاطمی، اسکیم ۳۳، کراچی

۲۔ حبا توصیف، فیڈرل بی ایریا، کراچی

۳۔ عنایت علی، روشن بک ڈپو، شہداد پور

۴۔ آمنہ اسلم، محلّہ محمد پورہ، ساہیوال

اس کے علاوہ چند اچھے اچھے عنوانات یہ ہیں:

احساس۔ زندگی کا لطف۔ گدھے کی تجویز۔ نیا عزم۔ ایک نیا سویرا۔ محسن گدھا۔ عقل مند گدھا۔ چالاک گدھا۔ گدھے کا مشورہ۔

ان نونہالوں نے بھی ہمیں اچھے اچھے عنوانات بھیجے

❖ **کراچی:** عادل احمد خان، حفصہ حسن، عائشہ صدیقی، روحاب سہیل، سیدہ کنزیٰ زہرا، نمرہ شاہد، سارہ عبداللہ شاہ، حمنہ عمران، حفصہ فاضل، محمد زین الدین، سیدہ اقدس ضمیر، ردا واحد، ارسہ جاوید، حسن خان، عبدالغفور، مریم فاطمہ، سید حسن نقوی، ویدا

ریاض فاطمی، سید بلال حسین ذاکر، مائرہ خان، سیدہ کساء زہرہ زیدی، ایمن احتشام روفی، ارم نسیم خان، فاطمہ علی، خدیجہ زاہد، سید نبیل منور، محمد اسماعیل رمضان پرھیاڑ، رعنا فاروقی، واجد نگینوی، ماہالا کھانی، سندس آسیہ، عبداللہ بن سہیل، سید فراز حسن کاظمی، کوثر پروین، شاہ رخ رحمان، جنید قریشی، سید اریبہ احمد، شاہ بشریٰ عالم، ایمن قمر احمد، ارسلان ریحان، رمشاء الطاف لاکھانی، علی تنویر پھول، شفق تنویر پھول، یسریٰ مریم، سمانہ تقوی، شمس الحق باری، سید محمد زین العابدین، سید محمد طیب، حبیبہ حفیظ، عائشہ شفقت، محمد نفیس، اسد سردار، حمیرا علی، تحریم ملک محمد آصف، حافظ محمد عمیص بابر، عارفہ شیخ عبدالرزاق، عبدالواسع، حبا توصیف، محمد افراز ابدالی، سہیل احمد بابوزئی، معین الدین اعظم خان، طوبیٰ جہانگیر زبیری، سیدہ زہرہ امام، فیضان محمد حنیف، حفصہ شوکت، بلال کامران، سید عفان علی جاوید، سید باذل علی اظہر، روزینہ شریف، دعا سلیم الزماں، فاطمہ سعید، سید شہظل علی اظہر، سیدہ عفیفہ جاوید، صفیہ وہاب انصاری، سیدہ جویریہ جاوید، محمد دانیال صدیقی، مریم غلام اکبر، کرن مرسلین، سیدہ مریم محبوب، اعزاز الرحمان خان، شفا اسلم، مہوش صابر حسین، عبدالمعز خالد، عروبہ شمس، حافظہ سیدہ طیبہ فاطمہ، شیخ انس احمد قادری، حافظہ عمیرہ خادم حسین، حافظ محمد بلال لطیف الزماں، اسما حسن، سید محمد ارتضیٰ حسین جعفری، عائشہ شاہد خان، عریبہ دلشاد، محمد حمزہ ظہیر، مہوش اختر، حافظ سید حسن شموئیل، نوال صدیقی، حدیقہ مطلوب احمد عطاری، محمد سلمان شاہد، ماریہ عبدالواحد، کرن شبیر، فرزین اعجاز شیرازی، محمد ارسلان قاسم، عشبہ خان، حاسن یاسر انصاری، انشراح یاسر انصاری، اسامہ فاروق، عائشہ شفقت، سائرہ حفیظ وارثی، فرح ارم،

فاطمہ عبداللہ، ایس علی، نجم السحر بنت عابدہ خاتون، عبداللہ عارف علی ❖ **حیدرآباد:** عائشہ انصاری، عائشہ سلیم میمن، عفان احمد، تبسم محمد لطیف، بسمہ اسلم، منعم فاطمہ خانزادہ، عبدالمعید عبدالحمید، مرزا اسفار بیگ، طہٰ یاسین، مرزا فرحال بیگ، دانیال خلیل خان، عائشہ ایمن احتشام ❖ **مکلی:** اُم کلثوم، الضحیٰ فاطمہ، سعد بن جاوید، وجیہہ جاوید، عائشہ بی بی، اقصیٰ بی بی ❖ **ٹنڈو الہیار:** محمد آصف یاسین کھتری، فرحان بچہ، محمد یاسر یاسین کھتری، صوفیہ زرین رضوان مغل، رخسانہ محمد صابر پیرزادہ ❖ **ٹنڈو آدم:** مجتبیٰ سلیم خان طور ❖ **سنجھورو:** رانا ذوالقرنین حیدر راجپوت، رانا مرتضیٰ حیدر راجپوت، رانا ذوالفقار حیدر راجپوت، رانا مبین حیدر راجپوت ❖ **شہداد پور:** عنایت علی ❖ **سانگھڑ:** رافعہ رسول رحمانی، ثناء پرویز رندھاوا، محمد طلحہ رندھاوا، محمد افضل رندھاوا، شنکر لال حیدری، توشیبا الطاف، محمد عاقب منصوری ❖ **میرپورخاص:** جبین سروش، صدف مریم، عظمیٰ محمود عالم انصاری، عدیل احمد ❖ **ٹنڈو جان محمد:** عائشہ عنایت ❖ **کوٹ غلام محمد:** حفصہ کنزہ، محمد ارشد اللہ رکھا ❖ **جھڈو:** شہزیم راجا، محسن کمبوہ، مزمل قریشی، رابیل سلیم ❖ **سکھر:** دلشاد انصاری، حوریہ معاذ علی انصاری، ربیعہ نور بنت تسنیم احمد قادری ❖ **جیکب آباد:** محمد زاہد ٹالانی بلوچ، عبداللہ ٹالانی ❖ **روہڑی:** شاہ نور جمشید خان، مادہ نور جمشید خان ❖ **سکرنڈ:** عبدالصمد جاوید، محمد اویس دانش خانزادہ ❖ **نواب شاہ:** یاسر رسول میمن، منزہ انیس مغل ❖ **مورو:** صبا نور مغل ❖ **محراب پور:** سرمد صابر علی انبالوی ❖ **نوشیرو فیروز:** خانزادہ احسن نوشہروی ❖ **اوباڑو:** بلال احمد بوزدار بلوچ ❖ **دربیلو:** محمد یوسف سولنگی ❖ **گھوٹکی:** خوش بخت، زویا، دعا، احسان، حسنین، سحاب ❖ **لاہور:**

ارمغان الرحمان، سلمان عرفان، غالیہ ارم، رافعہ سہیل، فارعہ احمد، مریم ایوب، چوہدری امتیاز علی ناز ❖ **راجو وال (اوکاڑہ):** محمد آصف نوید ❖ **فیصل آباد:** علی اکرام، رضاء الحق ❖ **سیالکوٹ:** حفصہ بتول ❖ **سمبڑیال:** محمد اسد بلال بن امجد ❖ **دینہ (جہلم):** محمد شعیب حسن سیالوی، سدرہ اکرم، ❖ **تلہ گنگ (چکوال):** محمد عاقب ظفر ❖ **لاوہ (چکوال):** ظہیر عباس ❖ **اسلام آباد:** محمد نعمان شفیع، نبیلہ شیخ، نازش ریاض، نورالعین، اقصیٰ چغتائی، محمد کامران، جنید راشد، ماہم ابرار، اشعر احمد، سید وسیم حسن شاہ کاظمی ❖ **راولپنڈی:** اعجاز خان میرانی، فصیح شبیر، محمد حسن ساجد، ملک محمد وقاص امین ❖ **رحیم یار خان:** مریم شاہین ❖ **خان پور:** علی ارسل ❖ **کامل پور موسیٰ:** معاویہ انیس، فیض الرحمان ❖ **دومیل:** سیدہ صالحہ بتول ❖ **ٹوبہ ٹیک سنگھ:** سعدیہ کوثر ❖ **ساہیوال:** ایس شہوار علی حیدر، آمنہ اسلم ❖ **چیچہ وطنی:** رحماء طارق ❖ **خانیوال:** محمد گلریز طارق خان نیازی، مریم عطاء سیال ❖ **کبیر والا:** اسامہ طیب ❖ **جہانیاں:** عیشہ نوید رندھاوا ❖ **ملتان:** محمد رضا علی سرگانہ، عمر دراز نوناری، راؤ محمد مبشر شبیر ❖ **بہاول نگر:** اسماء سلیم ❖ **بہاول پور:** خرد ساجد ❖ **گجرات:** نزمین غفور ❖ **سرگودھا:** محمد بلال شاہد، ابوذر غفاری، محمد شعیب مصطفےٰ ❖ **جھاوریاں:** رفعت بتول ❖ **جھور (میانوالی):** فیاض منان اعوان ❖ **جھنگ:** محمد ابوبکر جبار ❖ **چنیوٹ:** کومل جبار ❖ **کہروڑپکا:** بختاور مصطفیٰ ❖ **کوئٹہ:** اقراء فیاض، آسیہ ظاہر خان، ❖ **گوادر:** جواد رفیق ❖ **تربت:** محمد اکرام یوسف ❖ **ڈیرہ اسماعیل خان:** آئینہ سفیر ❖ **گلگت:** مبین بخت باری ❖ **کرک:** آفتاب الرحمان ❖ **کوٹلی:** محمد جواد چغتائی ❖ **بھمبر:** اسامہ بن شبیر، طیب رزاق۔ ☆

جوابات معلومات افزا - ۱۶۸

یہ سوالات دسمبر ۲۰۰۹ء میں شائع ہوئے تھے

۱۔ مدینہ منورہ کا پرانا نام یثرب تھا۔
۲۔ سنہ ہجری کا آغاز ۱۶ جولائی ۶۲۲ء عیسوی سے ہوتا ہے۔
۳۔ مسلمان فلسفی امام غزالیؒ ۱۰۵۸ء میں طوس (خراسان) میں پیدا ہوئے تھے۔
۴۔ برما (میانمار) اور سری لنکا نے سنہ ۱۹۴۸ء میں آزادی حاصل کی تھی۔
۵۔ مولانا الطاف حسین حالی کا انتقال ۳۱- دسمبر ۱۹۱۴ء میں ہوا تھا۔
۶۔ پاکستان کا پہلا آئین اکتوبر ۱۹۵۸ء میں منسوخ کیا گیا تھا۔
۷۔ فیلڈ مارشل محمد ایوب خان ایبٹ آباد کے ایک گاؤں ریحانہ میں پیدا ہوئے۔
۸۔ پہلا عالمی اسکوائش کپ ٹورنامنٹ پاکستان کے کھلاڑی ہاشم خان نے جیتا تھا۔
۹۔ ملک عمان کے سکے کا نام ریال ہے۔
۱۰۔ آزاد ہندستان کے دوسرے گورنر جنرل راج گوپال اچاریہ تھے۔
۱۱۔ ملکہ زبیدہ، عباسی خلیفہ ہارون رشید کی بیگم تھیں۔
۱۲۔ مشہور کتاب ''شاہنامہ'' ایرانی شاعر فردوسی کی تصنیف ہے۔
۱۳۔ اسٹیٹ بینک آف پاکستان کا سنگِ بنیاد قائداعظم نے رکھا تھا۔
۱۴۔ مشہور شاعر مرزا غالب کا تخلص پہلے اسد تھا۔
۱۵۔ اردو زبان کا ایک محاورہ یہ ہے: ''اپنی پگڑی اپنے ہاتھ ہے۔''
۱۶۔ حضرت صفی لکھنوی کا ایک مشہور شعر یہ ہے: غزل اس نے چھیڑی، مجھے ساز دینا
ذرا عمرِ رفتہ کو آواز دینا

دسمبر ۲۰۰۹ء کے معلومات افزا-۱۶۸ میں تیسرا سوال تھا کہ امام غزالیؒ کس سن میں پیدا ہوئے، اس کے سامنے تین اشاروں میں سے ایک اشارہ ۱۰۵۹ء لکھ دیا گیا تھا، لیکن امام غزالیؒ ۱۰۵۸ء میں پیدا ہوئے تھے، مگر جن نونہالوں نے اپنے جواب میں ۱۰۵۹ء لکھا ہے، ان کو بھی صحیح مان لیا گیا ہے۔

انعام پانے والے خوش قسمت نونہال

☯ **کراچی**: عمارہ ندیم، یوسف مفتی، سیدہ مریم محبوب، سید عفان علی جاوید، شاہ محمد اظہر عالم، سیدہ زینب رضوی، خدیجہ موسوی ☯ **حیدرآباد**: عائشہ ایمن احتشام ☯ **مکلی**: اقصیٰ احمد ☯ **سکھر**: دلشاد انصاری ☯ **سانگھڑ**: محمد ثاقب منصوری ☯ **سنجھورو**: خالدہ عبدالقدوس خاں ☯ **ٹوبہ ٹیک سنگھ**: سعدیہ کوثر ☯ **ڈیرہ غازی خان**: سعدیہ اختر ☯ **سرگودھا**: محمد بلال شاہد

١٦ درست جوابات بھیجنے والے نونہال

☯ **کراچی**: انشراح ریحان، سید شہظل علی اظہر، سیدہ جویریہ جاوید، سید باذل علی اظہر، سیدہ عفیفہ جاوید، سیدہ ثانی زہرہ، سیدہ رباب فاطمہ، سید محسن رضا رضوی، ☯ **مکلی**: اُم کلثوم، الضحیٰ فاطمہ، وجیہہ جاوید، سعد بن جاوید، عائشہ بی بی ☯ **سانگھڑ**: توشیبا الطاف، اشوک کمار حیدری، ☯ **سنجھورو**: محمد امین سیف الملوک، رانا مبین حیدر راجپوت، رانا ذوالقرنین حیدر راجپوت ☯ **راولپنڈی**: محمد حسن ساجد ☯ **سرگودھا**: ابوذر غفاری۔

١٥ درست جوابات بھیجنے والے نونہال

☯ **کراچی**: عریبہ دلشاد، ایمن عارف علی، سید حسن شموئیل، یاسر رسول میمن، فیضان ایم حنیف، امین تنویر، محمد بلال صدیقی، مزمل احمد محمد امین کھتری، عنبر شمس، اسد سردار، طاہرہ مشتاق مہر، ثمرہ حفیظ، سید محمد فیضان، سید محمد حذیفہ، شفق تنویر پھول، علی تنویر پھول، ثناء تنویر پھول، نمرہ شاہد، حمنہ عمران، سارہ عبداللہ شاہ، محمد زین الدین، عادل احمد خان، حفصہ جبین، سیدہ کنزیٰ زہرا، سیدہ اقدس ضمیر، حفصہ فاضل، عائشہ صدیقی، روحاب سہیل، ردا واحد، محمد وہاج شریف، طوبیٰ جہانگیر زبیری، اُسامہ فاروق، محمد آصف انصاری، صائمہ معیز

الدین احمد، قدسیہ درخشاں، سید حیدر رضا رضوی، سیدہ طاہرہ رضوی، سید محسن رضا رضوی، سیدہ رباب فاطمہ، سید مہدی رضا رضوی، سیدہ ثانی زہرہ، سید صفدر رضا رضوی، سجاد جعفری ◉ **حیدر آباد:** طٰہٰ یاسین، مرزا اسفار بیگ، مرزا فرحال بیگ ◉ **ٹنڈو الہیار:** نادر علی ◉ **میر پور خاص:** بلال احمد ◉ **جھڈو:** شہریم راجا ◉ **سانگھڑ:** محمد افضل رندھاوا، منیب احمد نوید رندھاوا ◉ **علی پور چٹھہ:** محمد حویرث نور ◉ **اسلام آباد:** جنید راشد ◉ **دینہ (جہلم):** محمد شعیب حسن سیالوی ◉ **سرگودھا:** محمد شعیب مصطفٰے ◉ **کالا گجراں (جہلم):** محمد افضل ◉ **ڈیرہ اسماعیل خان:** فاطمۃ الزہرہ ◉ **گوادر:** جویریہ رفیق ◉ **کوٹلی (آزاد کشمیر):** شہریار احمد چغتائی۔

۱۴ درست جوابات بھیجنے والے نونہال

◉ **کراچی:** حاسن یاسر انصاری، انشراح یاسر انصاری، حافظ محمد عمیس بابر، جویریہ عبداللہ، محمد دانیال صدیقی، سید حسن نقوی، محمد طاہر انصاری، حمیرا علی، حافظ محمد بلال لطیف الزماں، ویدا ریاض فاطمہ، حمس ناصر، ماریہ شفقت، ارسہ جاوید ◉ **حیدر آباد:** عبدالمعید، عبدالوحید ◉ **سکرنڈ:** منور سعید خانزادہ راجپوت ◉ **جیکب آباد:** محمد زاہد ٹالانی بلوچ، ظہیر احمد ٹالانی بلوچ ◉ **روہڑی:** شاہ نور جمشید خان، ماہ نور جمشید خان ◉ **گھوٹکی:** خوش بخت، زویا، احسان، حسنین، سحاب، دعا، محمد علی ◉ **میر پور خاص:** ثریا بابر ◉ **لاہور:** وہاج عرفان ◉ **فیصل آباد:** علی اکرام ◉ **جہانیاں (خانیوال):** عیشہ نوید رندھاوا ◉ **ملتان:** محمد ذکی کشمیری ◉ **راولپنڈی:** محمد عبداللہ مختار، وجیہہ شبیر ◉ **اسلام آباد:** محمد نعمان شفیع، نورالعین، حمزہ طاہر، نازش ریاض۔

۱۳ درست جوابات بھیجنے والے نونہال

◎ **کراچی:** فضہ حسن، عشبہ خان، سید بلال حسین اکبر، زائرہ خان، محمد افراز ابدالی، حافظ سیدہ طیبہ فاطمہ، زاہرہ شفیق، نجم السحر ◎ **حیدرآباد:** فیضان رشید ◎ **جیکب آباد:** محمد راشد ٹالانی بلوچ، عبداللہ ٹالانی ◎ **سکھر:** اقراء ◎ **شہداد پور:** عنایت علی ◎ **لاہور:** سعدیہ جوہر، امتیاز علی ناز، فائزہ احمد ایوب فیضی ◎ **سمبڑیال (سیالکوٹ):** محمد اسد بلال بن امجد ◎ **واصو (جھنگ):** محمد عمر حسن ◎ **راولپنڈی:** رابیل حنا ◎ **اسلام آباد:** دامن زہرا، ماہم ابرار ◎ **بھمبر (آزاد کشمیر):** طلحہ بن شبیر۔

۱۲ درست جوابات بھیجنے والے نونہال

◎ **کراچی:** حسام توقیر، مریم فاطمہ، مدیحہ عبدالواحد، سمیرا خالق ◎ **حیدرآباد:** دانیال رشید ◎ **ٹنڈو الہیار:** محمد عرفان پیرزادہ ◎ **محراب پور:** سرمد صابر علی انبالوی ◎ **نواب شاہ:** منزہ انیس مغل ◎ **لاہور:** محمد احسن عزیز ◎ **اسلام آباد:** محمد کامران، اقصیٰ چغتائی ◎ **رحیم یار خان:** نمرہ شاہین ◎ **بہاول نگر:** سیدہ سدرہ افضال گیلانی ◎ **پتھیل (ایبٹ آباد):** حامد نسیم۔

۱۱ درست جوابات بھیجنے والے نونہال

◎ **کراچی:** غادیہ ارشاد احمد، مریم غلام اکبر، فضیلہ ملک محمد آصف، نوال صدیقی، روزینہ شریف، محمد اسماعیل رمضان پرھیاڑ، شیزہ خان، واجد نگینوی ◎ **حیدرآباد:** تبسم محمد لطیف ◎ **ٹنڈو الہیار:** محمد آصف یاسین کھتری ◎ **لاہور:** رافعہ سہیل ◎ **راولپنڈی:** اعجاز خان میرانی ◎ **لاوہ (چکوال):** محمد عدنان یار خان ◎ **کہروڑپکا:** بختاور مصطفیٰ ◎ **بہاول پور:** خرد ساجد ◎ **کرک:** آفتاب الرحمان۔

☆

نونہال لغت

امر	اَ مْ ر	حکم ۔ کام ۔ فعل ۔ معاملہ ۔ مسئلہ ۔
امر	اَ مَ ر	نہ مرنے والا ۔ غیر فانی ۔ طویل عمر ۔ ہمیشہ رہنے والا ۔
آہنی	آ ہَ نی	آہن یعنی لوہے سے بنا ہوا ۔ مضبوط ۔ سخت ۔
تعقل	تَ عَ قْ قُ ل	سمجھنا ۔ سوچنا ۔ غور کرنا ۔ عقل مندی ۔
دوام	دَ وَ ا م	ہمیشگی ۔
تقویم	تَ قْ و ی م	سیدھا کرنا ۔ بناوٹ ۔ ساخت ۔ جنتری ۔ وہ کتاب جس میں سال بھر کی تاریخیں ہوں ۔
چاپلوس	چَ ا پْ لُو س	خوشامدی ۔ جھوٹی تعریف کرنے والا ۔
بحران	بُ حْ رَ ا ن	نازک حالت ۔ تعطل ۔ انگریزی لفظ کرائسس (CRISIS) کا ترجمہ ۔
خداداد	خُ دَ ا دَ ا د	خدا کی دی ہوئی ۔ منجانب اللہ ۔ قدرتی ۔
ڈگر	ڈَ گَ ر	راستہ ۔ سڑک ۔ شارع عام ۔
ہم دم	ہَ مْ دَ م	رفیق ۔ یار ۔ دوست ۔
غایت	غَا یَ ت	غرض ۔ مطلب ۔ انتہا ۔ انجام ۔ آخری سرا ۔
عدم	عَ دَ م	پاس نہ ہونا ۔ کسی بات کا نہ ہونا ۔ وجود کی ضد ۔
گردش	گَ رْ دِ ش	چکر ۔ دور ۔ انقلاب ۔ تغیر ۔ بدنصیبی ۔ مصیبت ۔ آفت ۔
ریاضت	رِ یَا ضَ ت	محنت ۔ مشقت ۔ مشق ۔ ورزش ۔ دیدہ ریزی ۔

جن حروف پر الٹا پیش لگا ہو، اسے خوب کھینچ کر پڑھا جاتا ہے یا یوں سمجھ لیں کہ جیسے دو پیش لگے ہیں ۔ جیسے: خوش بُو، نُور، ضُور، ہر سُو، وغیرہ، لیکن جس حرف پر ایک سیدھا پیش ہو وہ بغیر کھینچے پڑھا جائے گا مثلاً: جُو، رُو، سُود وغیرہ

KING'S®
SAUCES
ہر گھر کی لذّت
KING'S
SOYA SAUC
KING'S
CHILLI SAUCE
HOT SAUCE
KING'S
RCESTERSHIRE
SAUCE
Premium Foods (pvt) Ltd.
ofpfoods@yahoo.com
REPCOM

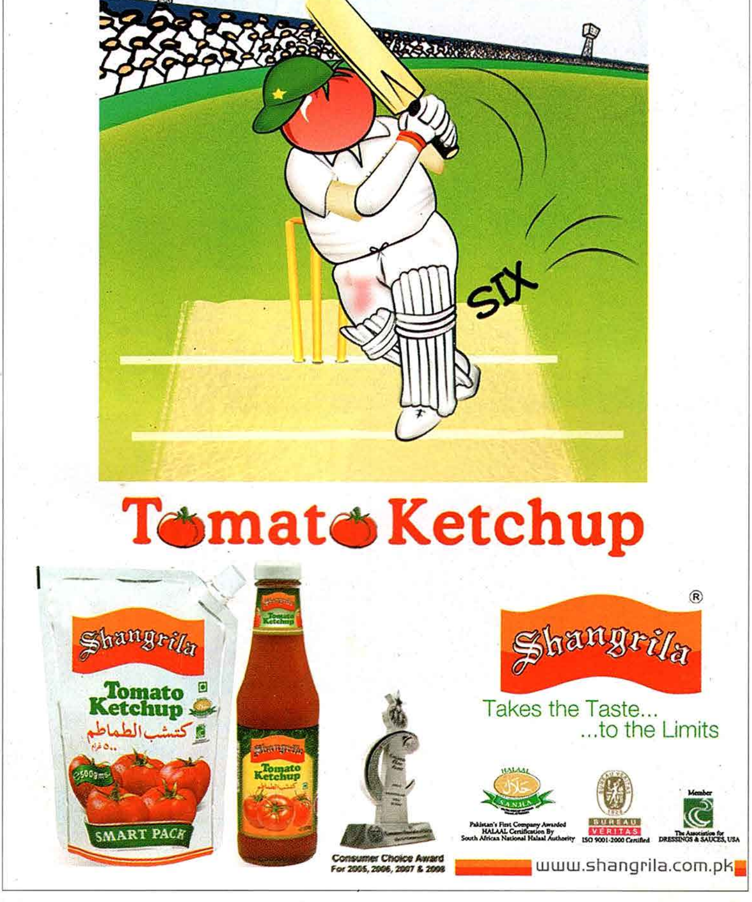

Lots & Lots Of ENERGY With
Lots & Lots Of...
SIX
Tomato Ketchup
Shangrila
Tomato Ketchup
کتشب الطماطم
SMART PACK
Shangrila
Takes the Taste...
...to the Limits
Pakistan's First Company Awarded HALAAL Certification By South African National Halaal Authority
BUREAU VERITAS
ISO 9001-2000 Certified
Member
The Association for DRESSINGS & SAUCES, USA
Consumer Choice Award
For 2005, 2006, 2007 & 2008
www.shangrila.com.pk